کتاب و سنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:17 Issue:2 February 2024

مدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

آئینۂ مضامین

درسِ قرآن



شب برأت اللہ سے تعلق استوار کرنے کی رات ہے

از: مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۚ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴿۴﴾ (سورۃ الدخان)

ترجمہ: حٰمٓ قسم ہے اس کتاب کی جو حق کو واضح کرنے والی ہے۔ کہ ہم نے اسے ایک مبارک رات میں اُتارا ہے۔ (کیوں کہ) ہم لوگوں کو خبردار کرنے والے تھے۔ اسی رات میں ہر حکیمانہ معاملہ ہمارے حکم سے طے کیا جاتا ہے۔

توضیح: خداوند بزرگ و برتر کا یہ ہم پر بڑا فضل و کرم ہے کہ وہ اپنے گنہگار بندوں کی گناہوں بھری زندگی پر ترس کھا کر ایسے مواقع فراہم کرتا ہے کہ بندہ اس کی قدر کرلے تو عمر بھر کے گناہ سے وہ دھل کر صاف ستھرا ہو جاتا ہے، انہی مواقع میں سے ایک شب برات بھی ہے، شب برات شعبان المعظم کی پندرھویں شب کہلاتی ہے، اس کے نام سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ پاک اس رات اپنے عاصی بندوں کو معصیت کے اثرات سے پاک وصاف فرمادیتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "شعبان کی پندرھویں شب کو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی آرام گاہ پر نہ پایا تو تلاش میں نکلی دیکھا کہ آپ جنت البقیع کے قبرستان میں ہیں پھر مجھ سے فرمایا کہ آج شعبان کی پندرھویں رات ہے، اس رات میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور قبیلہ بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ گنہگاروں کی بخشش فرماتا ہے۔"

یہ اس کی شان غفاری ہے اور شان عطا ہے، کوئی محروم القسمت ہی ہوسکتا ہے کہ وہ اس موقع سے اپنے آپ کو محروم رکھے۔

---

* ذمہ دار ادارہ حسیب المدارس، کھٹکیسر

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں

ایک حدیث میں ہے"اس رات میں اس سال پیدا ہونے والے ہر بچے کا نام لکھ دیا جاتا ہے، اس رات میں اس سال مرنے والے ہر آدمی کا نام لکھ لیا جاتا ہے، اس رات میں تمہارے اعمال اٹھائے جاتے ہیں، اور تمہارا رزق اُتارا جاتا ہے۔"

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ" اس رات میں تمام مخلوق کی مغفرت کردی جاتی ہے سوائے سات اشخاص کے وہ یہ ہیں۔مشرک، والدین کا نافرمان، کینہ پرور، شرابی، قاتل، پائجامہ (یا پینٹ) کوٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا مرد اور چغل خور، ان سات افراد کی اس عظیم رات میں بھی مغفرت نہیں ہوتی جب تک کہ یہ اپنے جرائم سے توبہ نہ کرلیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں منقول ہے کہ اس رات میں عبادت کیا کرو اور دن میں روزہ رکھا کرو، اس رات سورج غروب ہوتے ہی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اعلان ہوتا ہے کون ہے جو گناہوں کی بخشش کروائے؟ کون ہے جو رزق میں وسعت طلب کرے؟ کون مصیبت زدہ ہے جو مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہو؟

ان احادیث مبارکہ، صحابہ کرام، بزرگان دین کے عمل سے اس رات میں کرنے کے تین کام ثابت ہوتے ہیں (۱) تلاوت، ذکر و اذکار، جس قدر طبیعت میں بشاشت ہو نوافل کا اہتمام کرنا چاہیے اور نوافل کے سلسلے میں یہ بات بھی ذہن نشین ہونا چاہیے کہ یہ عبادت خلوت اور تنہائی میں کی جاتی ہیں اور اس میں بندہ تقرب الٰہی حاصل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق استوار کرتا ہے۔لہٰذا ان قیمتی لمحات کو شور وشغب، میلے، اجتماعات میں ضائع نہیں کرنا چاہیے بلکہ تنہائی میں مصروف عبادت رہنا چاہیے۔(۲) دن میں روزہ رکھنا بھی مستحب ہے بہتر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایام بیض (۱۳-۱۴-۱۵) میں روزہ رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے اسی نیت سے رکھ لیں تو مزید ثواب کا ذریعہ ہوگا۔(۳) قبرستان جا کر مردوں کے لیے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کرنا لیکن یہ بات یاد رہے کہ جو عمل نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جتنا ثابت ہو اس کو اتنا ہی روبہ عمل لانا چاہیے، مبالغے سے حد درجہ احتیاط کرنا چاہیے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں ایک ہی دفعہ شب برأت کے موقع پر جنت البقیع جا کر اصحاب قبور کے لیے دعائے مغفرت فرمائی تھی، اس لئے ایسا ضروری نہ سمجھیں کہ کوئی دوسرا نہ جائے تو وہ مستحقِ ملامت ہے یا ہمیں ہر سال اسی شب میں قبرستان جانا لازم ہے۔کبھی چلے جائیں کبھی اپنے مقام ہی سے مرحومین کے لئے دعائے مغفرت فرمادیں۔وفقنا اللہ لما یحب ویرضیٰ

درسِ حدیث



ہر عمل میں رضائے الٰہی کا طالب ہو بندہ

از: مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی*

عَنْ أَبِي سَعْدِ بْنِ أَبِي فَضَالَةَ الْأَنْصَارِيِّ: قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ إِذَا جَمَعَ اللّٰهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ نَادَى مُنَادٍ: مَنْ كَانَ أَشْرَكَ فِي عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلّٰهِ أَحَدًا فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ (ترمذی: 3154)

ترجمہ: حضرت ابوسعد بن فضالہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا، آپ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں، لوگوں کو جمع فرمائیں گے، تو ایک منادی آواز دے گا کہ جس کسی نے کوئی عمل صرف اللہ کے لئے کیا ہو اور اس میں کسی (اَور کی خوش نودی) کو شریک کیا، تو وہ اس عمل کا اجر اس غیر اللہ سے لے لے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ شرکاء کی شرکت سے بے نیاز ہے۔

تشریح: انسان کا خالق و مالک، حاکم و رازق اور معبود و مطلوب اللہ تعالیٰ شانہٗ کی ذات والا صفات ہے، اس کی زندگی کا کوئی لحظہ اور کوئی نقل و حرکت ذاتِ باری تعالیٰ کے علم محیط سے باہر نہیں ہے، حیاتِ انسانی کی ایک ایک سانس اور بقائے انسانی کے لئے رزق کا ایک ایک دانہ اسی رزاق و کریم کا مرہونِ منت ہے۔ تو جو بندہ قلادۂ اسلام اپنے گلے میں ڈال چکا ہو، اور قانونِ الٰہی و دستورِ حیات کے آگے سرِ تسلیم خم کر چکا ہو، کیا وہ اپنی سوچ و فکر، اپنے قول و بیان اور فعل و عمل کو کسی اور کی خوش نودی و رضا کا ذریعہ بنائے گا؟۔ ہرگز نہیں! اسی احساس کو جگانے اور تازہ رکھنے کے لئے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ کوئی عمل شروع کرو تو پہلے یہ ارادہ کرلو کہ یہ صرف اور صرف ربُ العالمین و پاک پروردگار کو خوش کرنے کے لئے ہے، کسی اور کی خوشی مقصود و مطلوب نہیں۔ خدانخواستہ اگر یہ عمل دنیا میں شہرت و ناموری یا غیر اللہ کی رضا پالے تو سمجھو کہ ثوابِ آخرت کا حبہ برابر حق دار نہیں ہوگا؛ بل کہ کہا جائے گا کہ جسے دکھانے کے لئے یہ عمل کیا تھا اُسی سے اس کا اجر و ثواب حاصل کرلو۔

---

* استاذ ادارہ ہذا

اس لیے کوئی مومن ایمان لائے اور اسلام قبول کرے، کوئی نمازی نماز پڑھے، کوئی روزہ دار روزہ رکھے، کوئی مالدار زکوۃ ادا کرے، کوئی حاجی حج کرے، کوئی معتمر عمرہ کرے، کوئی ذی حیثیت راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرے، کوئی مجاہد راہ خدا میں جان کا نذرانہ پیش کرے، کوئی سماجی کارکن اپنے علم و ہنر سے خلقِ خدا کے کام بنائے، کوئی وکیل وکالت وسفارش کرے، کوئی جج مقدمات کا فیصلہ کرے، کوئی معلم و مدرس تعلیم کتاب وسنت دے، کوئی طالب علم حصولِ علم کے لئے تگ ودَو کرے، کوئی مربی ماتحتوں کی تربیت کرکے اخلاق فاضلہ پیدا کرے، صفات رذیلہ سے اس کا تصفیہ کرے، کوئی مصنف تصنیف کرے، کوئی خطیب یا واعظ تقریر وعظ کرے، کوئی امام امامت کرے، کوئی مؤذن اذان دے اور مسجد کی خدمت کرے، کوئی تلاوت کرنے والا کلامُ اللہ پڑھے، کوئی عالمِ دین اس کے مضامین بیان کرے، کوئی مفتی شرعِ متین مسائل فقہیہ میں رہنمائی کرے، کوئی قاضی مقدمات کو حل کرے، کوئی طبیب وحکیم علاج ومعالجہ کرے، کوئی تاجر تجارت کرے، کوئی کاشتکار کاشت کرے، کوئی مزدور مزدوری کرے، کوئی ملازم ملازمت کرے، یا کوئی کسبِ حلال کے لئے مناسب ذریعہ اختیار کرے، کوئی سخی مسکین ومحتاج کی حاجت براری کرے، کوئی یتیم کے سر پر ہاتھ رکھے، کوئی بیوگان کے لیے وظیفے کا انتظام کرے، کوئی معذورین کی خدمت کرے، کوئی مساجد ومدارس تعمیر کرے، کوئی سرائے مسافر اور خانۂ معذورین بنائے، کوئی بورویل ڈلائے یا کنواں کھدوائے، کوئی باپ اپنی اولاد پر، کوئی شوہر اپنی بیوی پر، کوئی اولاد اپنے والدین پر اپنا مال خرچ کرے، کوئی ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے، کوئی اولاد کی اچھی تربیت کرے، کوئی زوجین کا جوڑا ایک دوسرے کو خوش رکھنے کی کوشش کرے، کوئی پڑوسیوں اور محلوں والوں کے ساتھ بہترین سلوک کرے، کوئی عورت خود باحجاب رہے اور اپنی بچیوں کی اسلامی تربیت کرتے ہوئے انھیں شرم وحیا کی تعلیم دے، اپنے اعزہ واقارب اور خاوند کے رشتہ داروں کی تعظیم وتکریم کرے، غرض یہ کہ مسلمان مرد ہو یا عورت جو چھوٹا یا بڑا عمل کرے ہر ایک کا مقصود صرف رضائے الٰہی ہو، عزت وشہرت، دنیا طلبی، اغراض باطلہ، اور مفادات فاسدہ پیش نظر نہ ہو تو بہ روئے حدیث ایسا ہی شخص آخرت میں ثوابِ الٰہی کا اور انعاماتِ ربانی کا مستحق وسزاوار ہوگا، کیوں کہ ہماری زندگی برائے بندگی ہے، فریضۂ بندگی اسی صورت میں صحیح ادا ہوگا جب ہم خالق تعالیٰ کے فرائضِ واجبہ اور مخلوق کے حقوقِ لازمہ ادا کرنے میں مخلص ہوں، اور صبح وشام اس کی خوشی کے متلاشی ہوں اور اُسی کے لئے جی رہے ہوں۔ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس حقیقت کا ادراک نصیب فرمائے اور یہ یقین کامل عطا فرمائے اور اخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے، ریا جیسے مہلکِ اعمال بیماریوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

پیش گفتار

کام کرنے سے ہوتا ہے

از: مدیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین۔ وصلی اللہ علی النبی الامین

امابعد! ۲۲ راگست ۲۳ ء کوحضرت مولانا شاہ جمال الرحمٰن صاحب مدظلہ امیر شریعت تلنگانہ وآندھرا کی دعوت پر خانقاہِ سعیدیہ حیدرآباد میں راقم سطور کے زیراہتمام شہر کے سینئر علماء کرام کا ایک خصوصی اجلاس منعقد کیا گیا، اس اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب مدظلہٗ نے حاضرین کے سامنے یہ مسئلہ رکھا کہ

''ملک میں مرکزی انتخابات بھی ہونے والے ہیں اور ریاستی انتخابات بھی جلد ہی درپیش ہیں، ایک عبوری سروے کے مطابق ریاستِ تلنگانہ میں صرف چالیس فی صد مسلمانوں کے پاس ووٹر آئی ڈی ہے، اُن میں سے بھی بیس فی صد کے ووٹر آئی ڈی اپ ڈیٹ نہیں ہیں، اور جن کے اپ ڈیٹ ہیں اُن میں سے بھی بہت سوں کے نام ووٹر لسٹ میں درج نہیں ہیں۔ یہ کس قدر افسوسناک صورتِ حال ہے کہ ملک کے شہری ہونے اور حکومت منتخب کرنے کا پورا حق رکھنے کے باوجود مسلمانوں کو نہ اس کا کوئی شعور ہے نہ نقصانات کا احساس، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ علماء اس اہم مسئلے پر توجہ دیتے ہوئے عوام الناس کا شعور بیدار کرنے کے لئے کوئی صورت نکالیں اور ہنگامی بنیادوں پر قدم اُٹھائیں، آگے بڑھیں اور کچھ کریں''۔

حضرت شاہ جمال الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم دکن کی ایک عظیم روحانی شخصیت، سلسلۂ قادریہ کے بافیض پیرِ طریقت اور ابوالعلماء والحفاظ حضرت صوفی شاہ غلام محمد صاحب رحمہ اللہ کے دوسرے فرزند، جید عالمِ دین، سلف کے جانشین، دونوں ریاستوں کی دونوں جمعیتوں کے منتخب امیر شریعت اور مرجع العلماء والعوام ہیں، ریاستی مجلس تحفظ ختم نبوت کے باوقار صدر، مدرسہ احیاء العلوم حیدرآباد کے سرپرستِ اعلیٰ، سینکڑوں علماء کے مقبول

استاذ اور مدّاحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، امت کے غم میں ہر سچے اللہ والے کی طرح مغموم؛ فکرمند؛ اور جہدِ مسلسل میں لگے رہتے ہیں۔ حفظہ اللہ ورعاہ

یہ حضرت شاہ صاحب مدظلہٗ کے اخلاص وللّٰہیت کی برکت تھی کہ تمام حاضرینِ مجلس نے بالاتفاق تعمیلِ ارشاد کا ارادہ ظاہر فرمایا، بعد مشورہ یہ طئے پایا کہ ''فی الحال ریاست تلنگانہ کی حد تک کام کا آغاز اس طرح کیا جائے کہ ریاست کے سینئر علماء میں سے ہر ایک یا دو عالم ریاست کے ایک پارلیمنٹری حلقے کو اپنے ذمے لے لے اور وہاں کے متعلقہ علماء سے رابطہ کر کے کسی مرکزی مقام پر ائمہ، علماء، دیگر خدامِ دین، سماج کے ہمدرد افراد، متولیانِ مساجد اور نظماءِ مدارس واسکولز کو جمع کر کے اور خود بھی وہاں پہنچ کے اس مسئلے پر اُن کی توجہ مبذول کرائے، کام کی ترتیب بتائے اور بہ عجلتِ ممکنہ کارِ ممکن سرانجام دینے کی ترغیب دے، بتلایا جائے کہ جو خود کر سکتا ہے وہ خود اور جو خود نہیں کر سکتا وہ کالج کے طلبہ، ٹیچرز اور دیگر لوگوں کے ذریعے ایک ایک محلہ، ایک ایک گاؤں میں جا کر ہر اٹھارہ سال کے شہری کا ووٹر آئی ڈی بنا کے دے، بنا ہوا ہے مگر اپ ڈیٹ نہیں ہے تو اپ ڈیٹ کروا کے دے، اپ ڈیٹ ہے مگر لسٹ میں شامل نہیں تو جس قدر ممکن ہے شامل کرانے کی فکر کرے اور پھر الیکشن کے موقع پر حقِ ووٹ استعمال کرنے، ضائع نہ کرنے کی اہمیت پر روشنی ڈال کر لوگوں کو آمادۂ عمل کرے''۔

چناں چہ اسی وقت حلقوں کی فہرست حاصل کر کے موجود علماء کرام کی پسند کے مطابق ایک ایک پارلیمنٹری حلقہ انہیں دیا گیا، اس کے تحت آنے والے اضلاع وقصبہ جات کی فہرست حوالے کی گئی، انہیں پابند کیا گیا کہ جو جہاں جائے وہاں واضح کر دے کہ

''ہماری یہ مہم ملت کی ضرورت کے تئیں ایک وقتی مہم ہے، نہ اس کا کوئی نام ہے، نہ ہم کسی سیاسی جماعت کے نمائندہ ہیں نہ ہی کسی مذہبی وسماجی تنظیم کے مدمقابل ہیں، بس یہ چاہتے ہیں کہ بھارت کا ہر مسلم شہری قانونی دستاویزات کے مطابق ووٹ دینے کا اہل بنے اور پھر اپنے ووٹ کا استعمال بھی کرے۔''

الحمد للہ یہ مہم مفید مطلب اور کارآمد ثابت ہوئی، نوجوان علماء، ائمہ مساجد، متولیانِ مساجد، اسکولز کے پرنسپل، کالج کے طلبہ اور ٹیچرز نے اس بات کو سمجھا اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، کامیابی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب ڈیڑھ ماہ بعد اضلاع کے ذمہ داروں سے کارگذاری لی گئی تو اس مدت میں کی گئی انفرادی واجتماعی کوششوں سے بفضلہٖ تعالیٰ ڈھائی لاکھ ووٹر آئی ڈی تیار کئے جانے کی رپورٹ سامنے آئی، اس کے باوجود دُگنا کام اور باقی ہے، طئے کیا گیا کہ ریاستی الیکشن کے بعد مرکزی الیکشن سے قبل دوبارہ کام شروع کر دیا جائے، چناں چہ سینئر علماء کرام کو اپنے اپنے پارلیمانی حلقوں میں دوبارہ پہنچ کر پھر سے توجہ دہانی کے لئے گذارش کی گئی

تاہم مدارس کے امتحانات اور اختتامی اجلاسوں کے مدنظر عمل درآمد میں تاخیر ہورہی ہے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کے بھولے پن کا تجربہ یہ ہوا ہے کہ اچھی خاصی تعداد اُن لوگوں کی ہے جن کے پاس اپنی جائز بلکہ موروثی پراپرٹی یعنی مکان؛ پلاٹ وغیرہ کے قانونی دستاویزات نہیں ہیں، ہیں تو معتبر طریقے پر نہیں ہیں، برتھ سرٹیفکیٹ؛ راشن کارڈ؛ آدھار؛ پاسپورٹ؛ ووٹر آئی ڈی؛ تعلیمی سند؛ پیان کارڈ وغیرہ جیسی دستاویزات ایک دوسرے کے مطابق نہیں ہیں، حالاں کہ ان باتوں کو لے کر مسلمان جگہ جگہ پریشان اور محروم المفادات ہوتے نظر آرہے ہیں، اس کے باوجود جہلاء جہالت و لاعلمی کی بنا اور پڑھے لکھے لوگ بے پروائی و بے حسی کی وجہ سے ان کاموں کو اہمیت نہیں دے رہے ہیں، حالاں کہ آج کل آن لائن سائٹس کھل جانے کی وجہ سے ان کاموں میں بہت سہولتیں پیدا ہوگئی ہیں، تعلیم یافتہ طبقے کو چاہیے کہ وہ خود اپنی فکر بھی کرے اور بھولے بھالے اور حالات سے بے خبر مسلمانوں کی طرف بھی توجہ دے۔

اسی طرح بہت سے مدارس اور مساجد کے پاس نہ جگہ کی ملکیت کا ثبوت ہے، نہ ہی تعمیری اجازت نامہ، جب تک ملک میں امن وامان تھا اور مذہبی امور میں چھیڑ چھاڑ سے احتراز کیا جاتا رہا، حکومتیں اس کو بدامنی اور رعایا کی ناراضگی کا سبب سمجھ کر نظرانداز کردیا کرتی تھیں تو واقعی اس طرف کبھی دھیان نہیں گیا تھا، مگر جب سے ایک مخصوص اور مسلم مخالف نظریہ ملک پر راج کررہا ہے تب سے حکمرانوں میں غرور اور استکبار اور بلاوجہ کی تعلّی و برتری پیدا ہوگئی ہے اور اس کے نتیجے میں ان کی ہم نوا اور ہم خیال عوام بھی مغرور و سرکش نظر آرہی ہے، کم از کم اب تو اس تبدیل شدہ صورتِ حال کا مسلمانوں کو احساس کرنا ممکن حد تک دائرہ قوانین میں رہنا؛ اور غفلتوں کی تلافی کرلینا ضروری ہے۔

حکومتیں باوجود مخلص نہ ہونے کے بھی اقلیتوں کے لیے فنڈز مختص کرتی ہیں اور مسلمانوں کا بھی اس میں لازمی حق ہے جو کوشش کرنے سے مل بھی جاتا ہے عمر رسیدہ لوگوں کا وظیفہ؛ تعلیمی وظیفہ؛ بیماروں کی مدد؛ اعلیٰ تعلیم کے لیے مدد؛ معذوروں کے لیے دی گئی سہولیات وغیرہ وغیرہ کئی قسم کے فوائد ومنافع ہیں جو سرکار کی طرف سے رعایا کو ملتی ہیں، تاہم علم نہ ہونے اور حصول کے طریقے کار سے ناواقف ہونے کی وجہ سے مسلمان تو تقریباً ہی محروم ہیں جب کہ دیگر طبقات برابر فکر کرتے اور ان سب اسکیموں سے اپنے طبقے کو مستفید کراتے رہتے ہیں، مسلمانوں کے سماجی؛ سیاسی؛ اور مذہبی قائدین اِن امور کی طرف توجہ دے کر ضعفاءِ مسلمین کو نفع پہنچانے کے بہ جائے صرف سرکار پر تنقیدیں کرنے؛ محرومی کا رونا رونے اور باہمی نزاع وخلاف میں مشغول ہیں۔

مولانا خالد بیگ ندوی صاحب زید مجدہٗ ایک مرتبہ مجھے اپنے ساتھ پڑوس کے قصبے میں بیان کے لیے لے

گئے تھے، راستے میں بتلایا کہ اس قصبے میں چند مسلم نوجوان اس قدر آوارہ مزاج اور بدمعاش ہو گئے تھے کہ پولیس نے انہیں سنبھالنے سے عاجز ہو کر مجھ سے رابطہ کیا اور مدد طلب کی، میں نے یہاں آکر تفصیل سے معلومات حاصل کیں اور اس نتیجے پر پہنچا کہ بے کاری ان حالات کا سبب ہے، چنانچہ میں نے کسی طرح ان نوجوانوں کو جوڑا، ہمدردی اور خلوص و محبت سے سمجھایا اور کہا کہ ہمیں ایک کام کے لیے آپ لوگوں کی سخت ضرورت ہے، یہ کام آپ ہی لوگ کر سکتے ہیں یہ سن کر انہوں نے خوشی خوشی اپنے کو پیش کیا، تب مولانا نے انہیں بتایا کہ گاؤں میں جتنے بوڑھے ہیں، بلا لحاظ مذہب ان کا وظیفۂ پیرانہ سالی انہیں دلانا ہے، نہیں پڑھنے والے بچوں کو اسکولوں میں داخلے کرانا اور انہیں اسکالرشپ دلانا ہے، بیماروں کو سرکاری فنڈ سے مالی امداد کرانا ہے، اس طرح کے اور بھی کچھ کام جو بآسانی ہو سکتے ہیں اور تعلیم یافتہ بچے کر سکتے ہیں ان کی طرف توجہ دلا کے فوری طور پر اس میں لگ جانے کا وعدہ لیا، اور جائزہ لینے کا وقت مقرر کیا، اِن بچوں نے وعدہ کیا کہ ہم یہ کام کریں گے۔ مولانا نے بتایا کہ چند ہی مہینوں میں پولیس نے شکریہ ادا کیا کہ اب کوئی ایسی شکایات بستی میں نہیں ہیں۔ تو دیکھیے! بے کاری ہماری قوم کے نوجوانوں کو بے راہ روی اور منفی سرگرمیوں میں مبتلا کر رہی ہے، اگر سماجی ؛ سیاسی ؛ اور مذہبی قائدین ان نوجوانوں سے رابطہ کر کے اور اپنے سے مانوس کر کے مثبت سرگرمیوں میں لگا دیں تو ان کے اخلاق بھی سنور جائیں، دین سے تعلق بھی بڑھ جائے اور ملت کے محروم و مطروح طبقے کی دعائیں بھی مل جائیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ہماری پرانی تحریکیں معمر اور ضعیف ہو چکی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لِكُلِّ شَيْءٍ اَجَلٌ مُّسمّى کے تحت تحریکوں کی بھی عمر ہوتی ہے اور لا یبقی علی ظھر الارض بعد مأۃ سنۃ نفس منفوسۃ میں کہیں تحریکیں بھی شامل نہ ہوں، اسلام تو ایک دائمی دعوت ہے لیکن اس کی خدمت کے لیے اٹھنے والی تحریکیں تاریخ بتاتی ہے کہ دائم نہیں رہیں، زمانے کے حالات نے کروٹ بدلی تو تحریکوں کو بھی پلٹ کے رکھ دیا، موجودہ دور کی 100 سالہ جماعتوں اور جمعیتوں کی سست روی ؛ عزائم کی کمی ؛ منصوبوں کے جمود و روایت پسندی ؛ رسمی مشوروں ؛ اور میڈیائی خبروں پر اکتفاء نے نوجوانوں کو مصروفیت سے محروم اور قائدین سے بدگمان کر دیا ہے، پھر اِن ملی جماعتوں کی تجزی اور تقسیم نے کارکنان کی صلاحیتوں کو ملت کی عملی خدمت اور فکری رہنمائی سے زیادہ اپنے دھڑے کی شناخت اور تحفظ پر مرکوز کر لیا، جو رسمی کام ہو بھی رہے ہیں تو عام طور سے سوال و جواب کی صورت میں ہو رہے ہیں یعنی کسی نے ایک پروگرام کیا تو اس کے بالمقابل دوسرے نے بھی ایک پروگرام رکھ لیا اور بس!

اس وقت ملک میں مسلمانوں کے مسائل کیا ہیں؟ ان کا معقول و مؤثر حل کیا ہے؟ کم از کم دین و ایمان اور عقیدۂ توحید کے خلاف جاری سرکاری و عوامی مہم سے ملت جس طرح متاثر ہو رہی ہے اور تعلیم یافتہ طبقہ ارتیاب و

شکوک کا شکار ہو رہا ہے اس کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟ مذکورہ بالا ضروری و ہنگامی کام جو مضمون کے شروع میں ذکر ہوئے ہیں ان کو کیسے سرانجام دیا جائے؟ اس کے لئے ہماری میٹنگیں اور بیٹھکیں تو ہو رہی ہیں مگر کام ویسا نہیں ہو پا رہا ہے جیسا کہ وقت کا تقاضا ہے حالاں کہ نوجوان علماء وعوام کی بڑی تعداد بلند حوصلگی و عالی ہمتی کے ساتھ کام لینے والے سماجی؛ سیاسی؛ دینی قائدین کے منتظرِ حکم کھڑے ہیں، لیکن کام لینے والوں کی کمی ہے، ظاہر ہے کہ کام لینا تجاویز کی منظوری کا نام نہیں ہے، تجاویز کے نفاذ کی صورتوں کی تعیین؛ کارکنان کی تربیت؛ کام کی نگرانی؛ کام کا مؤاخذہ ومحاسبہ؛ کام کرنے والوں کی ہمت افزائی کرنا؛ اور کام کی کمی کوتاہی کی تلافی کا پابند بنانا وغیرہ بھی ضروری ہے، میں کیا عرض کروں کہ اہلِ باطل اور دشمنانِ اسلام و مسلمین کس منظم ومرتب انداز میں اپنا کام کر رہے ہیں اور ہماری 100 سالہ تحریکیں کس قدر روایتی واخباری خول میں پھنسی ہوئی ہیں، میں للہ عرض کروں گا کہ اس تنقید کو مخالفت اور تنقیص پر محمول نہ فرمایا جائے، ہر ناقد مخالف نہیں ہوتا، میں ملک کی ریاستوں میں پھیلے ہزاروں نوجوان علماء کی دل کی آواز تحریکوں کے اکابر تک پہنچا رہا ہوں، یقیناً کام ہو رہا ہے مگر وقت کے مطالبے کے مطابق جن سرگرمیوں کی ضرورت ہے وہ مفقود نہ صحیح کم زور اور برائے نام تو ہو ہی گئی ہیں۔

یہ بات نہیں ہے کہ امت کو کارکنان میسر نہیں ہیں، الحمدللہ پہلے کے مقابلے میں بڑی تعداد جواں حوصلہ و تازہ دم علماء وعوام کی موجود ہے، اِن میں ملت کا درد اور بدلتے حالات کا احساس بھی موجود ہے، وہ کیف ما اتفق کچھ کر بھی رہے ہیں لیکن ان کو ایک مقصد پر جوڑنے؛ ان کی سرگرمیوں اور صلاحیتوں کو صحیح رخ دینے؛ اور سطحی کے بجائے بنیادی مقاصد میں استعمال کرنے والوں کی ضرورت ہے۔

یہ بات بھی نہیں ہے کہ ملت اسلامیہ ہندیہ کے پاس وسائل کی کمی ہے، الحمدللہ پہلے کے مقابلے میں پیسہ بھی بہت ہے، ٹیکنالوجی پر قدرت بھی حاصل ہے، وسائل عصریہ سے عوام تو عوام علماء بھی مالا مال ہیں لیکن مال داروں کا مال بے مقصد رائے گاں جا رہا ہے اور ٹیکنالوجی کا استعمال تفریح طبع یا مقابلہ آرائی کی نذر ہو رہا ہے، کیا یہ فکر و عمل کی قوتوں کا دن بدن فنا ہوتے جانا قوم مسلم کی شوکت کو زوال آشنا نہیں کر دے گا؟

مدرسہ بھی ایک تحریک ہے جو ملت اسلامیہ کے روحانی وجسمانی؛ ملی وایمانی تحفظ کے لیے چلائی گئی ہے، ان مدارس سے جو عظیم الشان کام ہوا اس کا کون انکار کرسکتا ہے مگر کیا مدرسے والوں کے ذمے طالب بن کر آنے والوں کو پڑھا دینا ہی ہے؟ کیا ان کے ذمے اپنے گاؤں برادری اور اپنے مدرسے کے اطراف واکناف میں رہنے والے مسلمانوں کی فکر کرنا نہیں ہے؟ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث کی حیثیت سے اپنے ماحول پر نظر رکھنا اس کے سدھار کی فکر کرنا مہتمم اور اساتذۂ مدرسہ کی ذمہ داری نہیں ہے؟ پرانے پرانے مدارس اور عظیم الشان

عمارتوں کے اطراف مسلم سماج کیسے کیسے اخلاقی جرائم اور دینی بے راہ روی کا شکار ہے، مدرسہ ان کے لیے کیا کرتا ہے؟ تعلیمِ بالغان و بالغات یا مکاتبِ نونہالان؛ خواتین کے لیے تربیتی اجتماعات؛ نوجوانوں کو منشیات اور ان جیسی گندی عادتوں سے اور مسلم لڑکیوں کو بے حجابی و بے حیائی کی حرکتوں سے بچانے کی کوششیں کس حد تک مدرسہ کر رہا ہے؟ سالانہ جلسے اور اصلاح معاشرہ کے پروگرام میں تو ذرا دین پسند طبقہ شریک ہوتا ہے، وہ نہیں ہوتے جن کو ہدایت کی زیادہ ضرورت ہے پھر وہ بھی جلسے بہت حد تک قابلِ اصلاح ہو چکے ہیں، جن پر انفرادی توجہ اور خصوصی محنت کی ضرورت ہے انہیں کون منھ لگا رہا ہے اور دین کی طرف لا رہا ہے؟

ان گنت مدارس تو وہ ہیں جن میں پندرہ بیس یا سو پچاس طلبہ؛ تین چار مدرس؛ آٹھ دس سفیر ہیں ملک بھر میں چندہ وصول ہو رہا ہے، چند لوگوں کو معمولی روزگار مل گیا ہے منتظمین کے وارے نیارے ہو رہے ہیں، عمارتوں پر عمارتیں بن رہی ہیں، لیکن ایک دو اچھے مبلغ رکھ کر اطراف و اکناف کے مسلمانوں کی تعلیمی و اخلاقی تربیت کیوں نہیں ہوسکتی؟ ایک آدھ کارندہ طے کر کے مسلمانوں کے قانونی وسماجی رہنمائی کیوں نہیں کی جاسکتی؟ اس کا جواب یہی ہے کہ رسم اذاں میں سے روح بلالی ختم ہوتی جا رہی ہے۔

اس تفصیل کا خلاصہ بس یہ ہے کہ ہماری تمام ہی دینی؛ سیاسی؛ سماجی تحریکوں میں نئی روح پھونکنے یا کسی نئی با مقصد منظم و متحرک تنظیم کو وجود میں لانے کی سخت ضرورت محسوس کی جا رہی ہے، تاہم قدیم تنظیموں کے جمود کو ختم کرنے کے لیے تجدید کا کام ہو یا کسی نئی تحریک کو وجود میں لانے کا عمل! ضروری ہے کہ وہ ماضی کی طرح اکابر علماء کے اتحاد و اتفاق اور سرگرم سرپرستی میں ہو، ملک کے موجودہ حالات تقاضوں اور مصلحتوں کی روشنی میں امتِ مسلمہ ہندیہ کی فلاح و بہبود کے لیے کرنے کے اہم کام طے ہوں، کام کرنے اور کام لینے کی شکلیں وضع ہوں اور یہ کوئی تجویز نہ ہو جس کے اعلامیہ پر اکتفا کرلیا جاتا ہے بلکہ تحریک ہو، فوری ملک گیر پیمانے پر کام شروع ہو، اور بے حسی و بے بسی کا سلسلہ بند ہو، ورنہ جب امت کی اکثریت مقاصد سے بے خبر ہوکر نان ونوش سے مطمئن ہوجائے گی تو اس کو تباہ ہونے سے بچانے کا وقت ختم ہوجائے گا۔ والسلام

اپنے تمام علمی وعملی قصوروں کا معترف

خویدم الاسلام محمد عبدالقوی غفرلہ الغفور السلام

گوشہ سیرت

تم یہودیوں کا عبداللہ بن سلامؓ کے متعلق کیا خیال ہے؟

از: مولانا محمد الیاس محی الدین ندوی بھٹکلی*

یہودی مسلمانوں کے دشمن، جھوٹے، دغاباز اور مکار تھے اور خود اپنے کہنے کا انکار کرنے والے، آج بھی اس سلسلہ میں ایک تجربہ ہوگیا، دربارِ نبوت میں آج عبداللہ بن سلام جو اسلام میں داخل ہونے سے پہلے یہودیوں کے سب سے بڑے عالم تھے موجود تھے، باتوں باتوں میں انہوں نے کہا:۔ اے اللہ کے رسول!

یہودی انتہائی جھوٹے لوگ ہیں، اگر انھیں میرے اسلام لانے کا علم ہوا اور آپ ان سے میرے متعلق دریافت فرمائیں تو جھوٹ بولیں گے، یہ گفتگو چل رہی تھی کہ کچھ یہودی حاضر خدمت ہوئے جن کو دیکھ کر عبداللہ بن سلام گھر میں جا کر چھپ گئے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے متعلق ان یہودیوں سے بے تکلف کچھ پوچھ سکیں، چنانچہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے ہی کیا اور ان سے پوچھا:۔

بتاؤ:۔ تم یہودیوں کا عبداللہ بن سلام کے متعلق کیا خیال ہے؟

انہوں نے بیک زبان کہا: وہ تو ہمارے سب سے بڑے عالم، سب سے بڑے عالم کے صاحبزادے، خود بھی ہم میں سب سے بہتر اور ہم میں سب سے بہتر شخص کے فرزند ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا:۔ اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو کیا آپ لوگ بھی اسلام لے آئیں گے؟

اس پر انھوں نے کہا:۔ اللہ ان کو اس سے بچائے کہ وہ اسلام میں داخل ہوں۔

یہ سن کر عبداللہ بن سلامؓ کمرہ سے باہر نکل آئے اور بولے:۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہیں، وہ تنہا معبود ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں۔

یہ سن کر وہ سب یہودی آگ بگولہ ہو گئے اور کہنے لگے:۔ عبداللہ بن سلام ہم میں سب سے بُرا آدمی اور سب سے بُرے آدمی کا بیٹا ہے۔ (صحیح البخاری کتاب احادیث الانبیاء ۳۳۲۹)

(ماخوذ از: مجالس نبوی ص ۱۴۹)

* استاذ تفسیر وحدیث جامعہ اسلامیہ بھٹکل

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

حضرت سہلہ بنت عاصم رضی اللہ عنہا (زوجہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ)

از: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

نام ونسب:

سہلہ بنت عاصم عظیم المرتبت صحابیہ ہیں، ان کا مکمل نام سہلہ بنت عاصم بن عدی عجلانی بلوی انصاری ہے، ان کا تعلق قبیلہ قضاعہ کی شاخ ''بلی'' سے تھا، جس سے ''بلوی'' کے لقب سے ملقب ہوئیں، مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، یکے از عشرہ مبشرہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہیں، ان کی ولادت غزوۂ خیبر کے موقع پر ہوئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذات خود ان کا نام ''سہلہ'' رکھا۔

چنانچہ عبدالعزیز بن عمران، سعید بن زیاد سے وہ حفص بن عمر بن عبدالرحمن بن عوفؓ سے وہ اپنی دادی سہلہ بنت عاصم بن عدیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں: ''میری ولادت غزوۂ خیبر کے موقع سے ہوئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذات خود میرا نام ''سہلہ'' رکھا، اور یہ فرمایا: ''سهل الله أمر کم'' (اللہ تمہارے معاملہ کو آسان کرے) اور میرے لئے حصہ مقرر فرمایا۔ (معرفۃ الصحابۃ، عاصم بن عدی الأنصاری: ۸/ ۱۹۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت) بعض روایتوں میں غزوہ حنین کے موقع سے نام رکھنے کا ذکر ہے، صحیح اور مشہور قول جنگ خیبر کا ہے۔

(الزیجات والولادات عند غنیۃ من الصحابۃ المہاجرین البدرین: ۳۶۵، الدکتور محمد حالی، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قبول اسلام:

حضرت سہلہ بنت عاصم رضی اللہ عنہا نے اسلامی ماحول اور اسلامی گھرانے میں آنکھ کھولی، ان کا خاندان مدینہ میں انصار کا حلیف تھا، ان کے والد حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے ہجرت نبوی سے کچھ پہلے یا بعد اسلام قبول کیا اور شرفِ صحابیت سے بہرور ہوئے۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، عاصم بن عدی: ۳/ ۴۶۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

* ادارہ علم وعرفان، حیدرآباد، واستاذ حدیث دار العلوم دیودرگ

نکاح:

ان کا نکاح عظیم المرتبت صحابیِٔ رسول حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے ہوا، روایتوں میں مذکور ہے، ان کا نکاح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے ان کی ولادت کے دن ہی ہوگیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نکاح فرمادیا تھا، ان کی زبانی منقول ہے: ''وزوجنی عبدالرحمن بن عوف یوم ولدت''

(اسد الغابۃ، سہلۃ بنت عاصم: ۷/ ۱۵۵، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

رخصتی کا احادیث میں ذکر:

صحیح بخاری کے کتاب النکاح میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ پر نکاح کے آثار ونشانات دیکھے تو پوچھا: نکاح کیا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا: جی ہاں یارسول اللہ!

فرمایا: کس سے؟ حضرت: ایک انصاریہ سے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا: کیا مہر ہے؟ عرض کیا: سونے کی ایک گٹھلی (یا کھجور کی گھٹلی کے برابر سونا)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ یہ نکاح تمہارے لئے مبارک کرے، ولیمہ کروا گرچہ ایک بکری ہی سے ہو۔

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ یہ انصاریہ جن سے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا تھا، حضرت سہلہ بنت عاصم رضی اللہ عنہا تھیں۔ بعض نے دیگر نام بھی لکھے ہیں، لیکن یہ بات درست اس لئے معلوم نہیں ہوتی کہ حضرت سہلہ بنت عاصم رضی اللہ عنہا سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کی ولادت کے فوراً بعد نکاح کرلیا تھا۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: ارشاد الساری لشرح البخاری: ۸/ ۶۰، المطبعۃ الکبری الأمیریۃ، مصر)

اولاد:

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی صلب سے ان کی چار اولاد ہوئی، جن میں تین لڑکے معن، عمر اور زید اور ایک لڑکی أمۃ الرحمن صغری شامل تھیں ''ومعن وعمر وزید وأمة الرحمن الصغری، وأمهم سهلة بنت عاصم بن عدی بن الجد بن العجلان من بلی من قضاعة''

(الطبقات الکبری لابن سعد، أزواج عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ: ۳/ ۹۴، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

وفات: سن وفات معلوم نہیں۔

اصلاحی مضامین

نہی عن المنکر آداب اور تقاضے

از: مفتی محمد سلمان قاسمی محبوب نگری*

انسان فطرتاً نفیس و پاکیزہ واقع ہوا ہے، جب کسی بری چیز کو دیکھتا ہے تو فوراً اس کی طبیعت میں ایک بے چینی سی ہونے لگتی ہے، بلکہ جن کی طبیعت محاسنِ اسلام سے آراستہ ہو وہ نہ صرف معاشرتی بلکہ مذہبی بگاڑ پر بھی مضطرب ہوجاتے ہیں اور اس برائی کے خاتمے کے لیے حتی الامکان سعی وکوشش کرتے ہیں، آپ علیہ السلام کی شریعت کاملہ نے جہاں شعبہائے زندگی سے متعلق تمام احکام وآداب کی تعلیم دی ہے وہیں نہی عن المنکر یعنی برائی کو روکنے پر بھی بہت زور دیا ہے؛ برائی کے خاتمے کی تلقین عموماً ہر مذہب کی تعلیم کا حصہ ہے، اور اگر کوئی شخص مذہب کی قید سے آزادانہ زندگی بسر کررہا ہو وہ بھی اگر سالم الطبع ہوگا تو اس کی فطرت نظر کے سامنے ہونے والی برائی کو مٹانے اور اس پر روک لگانے پر ضرور آمادہ کرے گی، لیکن اسلام کا نظام تمام تر طبائع ومذاہب سے بالاتر ہے، مذہب اسلام جس قدر محاسن و اعلی اقدار کی ترجمانی کرتا ہے دیگر مذاہب میں اس کی مثال عنقا ہے؛ بسا اوقات منکر پر نکیر فائدہ مند وکارآمد ہونے کے بجائے مضر ونقصان دہ ثابت ہوتی ہے، اور گاہے گاہے نوبت شر و فتنہ تک پہونچ جاتی ہے، اس لیے اسلام نے جہاں اپنے متبعین کو برائی کے خاتمے پر ابھارا وہیں اس کی نزاکت، طریقۂ کار اور تمام تر آداب سے بھی واقف وباخبر کردیا۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اہمیت پر قرآن پاک وحدیث شریف میں مختلف انداز سے ترغیب وارد ہوئی ہے؛ اور اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو امت محمدیہ کے لیے امم سابقہ کے بالمقابل افضلیت کا سبب قرار دیا؛ سورہ آل عمران کی آیت ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ (110) ترجمہ: (اے مسلمانو!) تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی ہدایت) کے لئے ظاہر کی گئی، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

منکر سے کیا مراد ہے:

منکر کی تعریف میں کئی سارے اقوال ہیں من جملہ ان کے ایک جامع قول یہ ہے:

* خادم التدریس ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

کل ما قبحه الشرع و حرمه و كرهه فهو منكر (لسان العرب ۸/ ۴۵۳۹)

ہر وہ چیز جس کو شریعت نے قبیح وحرام اور ناپسندیدہ سمجھا ہو وہ منکر ہے۔

نہی عن المنکر کے سلسلے میں شرعی ضابطہ:

صحیح مسلم کی ایک مشہور روایت ہے جس میں آپ علیہ السلام نے ترتیب وار نہی عن المنکر کے درجات بتلائے ہیں، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: قال رسول الله ﷺ: "من رای منکم منکرا فلیغیره بیده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، و ذلك أضعف الإيمان". (الصحیح للمسلم رقم الحدیث ۱۳۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے جو شخص منکر (نا قابل قبول کام) دیکھے اس پر لازم ہے کہ اسے اپنے ہاتھ (قوت) سے بدل دے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل سے (اسے برا سمجھے اور اس کے بدلنے کی مثبت تدبیر سوچے) اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔"

شارح مسلم امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث اسلام کے عظیم ترین قواعد میں سے ہے، شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ مکلف شخص جب کوئی منکر اور برائی کو دیکھے جس کو شریعت نے قولاً یا فعلاً حرام ومکروہ قرار دیا ہو تو بشرط استطاعت اس کو روکنا ضروری اور لازم ہے، محدث دار العلوم دیوبند حضرت علامہ نعمت اللہ صاحب فرماتے ہیں: یہاں استطاعت سے لغوی استطاعت مراد نہیں ہے کیونکہ وہ ہر شخص کو ہر وقت حاصل ہوتی ہے بلکہ مراد شرعی استطاعت ہے کہ اس منکر پر نکیر کے نتیجے میں کوئی اور بڑا منکر نہ پیدا ہو جائے یا خود روکنے والا کسی نا قابل برداشت فتنے اور مصیبت کا شکار نہ ہو جائے (نعمت المنعم)

ہاتھ سے روکنا اعلیٰ ترین درجہ ہے، مثلاً کوئی ہتھیار سے کسی کو قتل کر رہا ہو تو ہتھیار کھینچ لے، کوئی گانا سن رہا ہو تو اس کو اپنے ہاتھ سے بند کر دیں، کوئی شراب پی رہا ہو تو اس کے پاس سے شراب چھین کر بہادیں وغیرہ وغیرہ؛ اگر اس کی طاقت نہ ہو بلکہ اس طرح کرنے میں کسی بڑے ضرر کا اندیشہ ہو تو زبان سے مرتکبِ معصیت شخص کو منع کر دینا چاہیے، بولنے میں بھی کسی جھگڑے اور فتنے کا اندیشہ ہو تو صرف قلب سے اس کو برا سمجھ لے اور یہ ارادہ رکھے کہ اگر اللہ تعالیٰ طاقت دے گا تو ضرور اس منکر کی تغییر کرے گا؛ اگر کسی منکر کو دیکھ کر دل میں بھی اس کے برے ہونے کا تصور ختم ہو جائے تو یہ بہت بڑا لمحۂ فکریہ ہے، کیونکہ مطلب یہ ہوا اس منکر کی قباحت اب دل میں نہیں رہی، گویا اللہ کے محارم کو حلال سمجھ لیا، اس لیے کہ برے سمجھنے کو ایمان کا ضعیف ترین اور آخری درجہ کہا گیا ہے، چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا "لیس وراء ذالک حبة خردل من الایمان" کہ اس کے بعد

تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان باقی نہ رہا، آج ہم جن گناہوں اور منکرات کو اپنی نگاہوں سے دیکھ کر سرے سے نظر انداز کرتے ہیں، تھوڑا غور کریں کہ کیا واقعۃً دل اس منکر پر بے چین و بے قرار ہوتا ہے؟ اگر نہیں تو بہت زیادہ اپنی ایمانی کیفیت کو بنانے اور بڑھانے کی ضرورت ہے، کیونکہ دل سے قباحت اٹھ جانے کو حدیث میں ایمان ہی کی نفی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

نہی عن المنکر کی شرعی حیثیت:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وجوب پر تمام علماء کا اجماع ہے، کسی زمانے کے علماء نے اس میں اختلاف نہیں کیا، صاحب بذل المجہود حضرت خلیل احمد سہارنپوریؒ نے حدیث رسول: الناس اذا رأوا ظالماً فلم یاخذوا علی یدیہ... الخ کی تشریح میں فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد صراحتاً دلالت کر رہا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر یقینی طور پر لوگوں پر واجب ہے۔ (بذل المجہود ۱۷ / ۲٦۷)

حرب بن اسماعیلؒ نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوعبداللہؒ سے پوچھا گیا: کیا امر بالمعروف و نہی عن المنکر واجب ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! پھر سائل نے کہا اگر جان کا خطرہ ہو تب بھی؟ تو فرمایا اگر اپنی ہلاکت اور جان کا خوف ہو تو ترک کر دو؛ علامہ آلوسی اور دیگر بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر علی الاطلاق واجب نہیں ہے بلکہ اس کا مدار منکر کی شرعی حیثیت پر ہے، اگر کوئی واجب کو ترک کر رہا ہے یا حرام کا ارتکاب کر رہا ہے تو اس کو روکنا اور حکم کرنا واجب ہے، اگر کوئی مندوب و مستحب چیز کو ترک کر رہا ہے یا مکروہ امر میں مبتلا ہے تو اس کو روکنا بھی مستحب ہی ہے، لیکن دیگر علماء نے اس رائے پر تبصرہ کیا کہ اگر اس طرح تساہل سے کام لیا جائے تو لوگ بتدریج منہیاتِ شرعیہ اور محارم کا ارتکاب کرنے لگیں گے، لہذا حسب وسعت ہر برائی پر روک لگانا واجب ہے؛ امام نووی نے مسلم کی شرح میں فرمایا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرضِ کفایہ ہے، اگر کسی منکر کو دیکھ کر کچھ لوگوں نے انکار کیا تو باقی سے بھی ذمہ ساقط ہو جائے گا، اگر کسی نے نکیر نہیں کی تو سب گناہ گار ہوں گے لیکن اکثر علماء جس بات کی جانب گئے ہیں وہ یہ ہے کہ ہر شخص پر اس کی طاقت وقدرت کے بقدر نہی عن المنکر واجب ہے، جس چیز کے شرعاً قبیح ہونے کو وہ جانتا ہو پھر بھی سکوت اختیار کرے تو گنہگار ہوگا۔

برائی پر نکیر نہ کرنے کا انجام:

آج ہمارا المیہ یہ ہے کہ اولاً ہم خود اعمال پر کاربند نہیں ہوتے، دوسری بڑی غلطی یہ ہے کہ اپنے اطراف و ماحول میں بہت ساری برائیوں کو دیکھ کر ان کو روکنے کا تصور و خیال تک دل میں پیدا نہیں آتا، بلکہ کسی مبتلاء

معصیت شخص پر نکیر کو انسانی اخلاقیات کی خلاف ورزی اور دوسروں کے نجی معاملات میں دخل اندازی سمجھتے ہیں جب کہ منکر پر نکیر نہ کرنا خود ایک بہت بڑی سماجی بداخلاقی ہے، اگر کوئی شخص اپنی ذاتی غفلت یا غیر ضروری سمجھ کر منکر پر نکیر نہ کرے یا خود کو اس ذمہ داری سے بالاتر گردانے تو وہ بھی مرتکبین کے برابر ایک مجرم شمار ہوگا، حضرت امام غزالی نے تبلیغِ دین میں ام المومنین سیدہ عائشہؓ کے حوالے سے نقل کہ: ایک ایسے قصبے پر عذاب نازل ہو چکا ہے جس میں اٹھارہ ہزار مسلمان رہا کرتے تھے اور ان کے اعمال انبیاء علیہم السلام جیسے تھے مگر اللہ کی نافرمانیوں پر ان کو غصہ نہیں آتا تھا، لہذا ہلاک کر دیے گئے؛ اگر تم کسی جگہ پر کوئی ناجائز کام ہوتا دیکھو اور خاموش بیٹھے رہو گے تو اس گناہ میں تم بھی شریک سمجھے جاؤ گے کیونکہ غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں برابر ہیں۔

(تبلیغ دین للغزالی)

امام طبرانیؒ نے معجم الاوسط میں ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے ایک فرشتے کو حکم دیا کہ وہ ایک بستی کو اس کے اہل پر الٹ دیں تو فرشتے نے کہا اے اللہ! اس میں آپ کا ایک فرمانبردار بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے کے برابر بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی، تو اللہ تعالی نے حکم دیا بستی کو اس پر بھی اور تمام بستی والوں پر الٹ دو اس لیے کہ (میری نافرمانیوں کو دیکھ کر) میرے لیے کبھی اس کے چہرے پر بل تک نہیں آیا، نیز منکر میں ایک منفی تاثیر یہ ہے کہ اس کا اثر متعدی ہوتا ہے، اگر کوئی شخص منکر کو دیکھ کر اس کی اصلاح و درستگی کی فکر نہ کرے تو امکاناً وہ بھی اس منکر کا مرتکب ہوسکتا ہے۔

خود عمل نہ کرتے ہوں تب بھی نکیر کریں:

ایک بڑا طبقہ کسی چیز کے منکر ہونے کو جاننے کے باوصف محض اس لیے اس پر انکار نہیں کرتا کیوں کہ وہ خود اس معصیت کا شکار ہے حالاں کہ ایسا سوچنا نادانی ہے، امام نووی علیہ الرحمہ نے اپنی شرح میں بعض علماء کا قول نقل کیا ہے کہ آمر وناہی کے لیے خود کامل الحال ہونا ضروری نہیں ہے، یعنی جس چیز کا وہ حکم کر رہا ہے خود بھی اس سے متصف ہو اور جس چیز پر نکیر کر رہا ہے وہ خود اس سے مجتنب ہو یہ ضروری نہیں ہے، کیونکہ اس کے ذمے دراصل دو کام ہیں؛ ایک اپنے آپ کو اچھائی کا حکم کرے اور برائی سے روکے، ساتھ ہی دوسروں کو بھی امر ونہی کرتا رہے، جب اس نے ایک جگہ کوتاہی کی تو اس کی وجہ سے دوسری جگہ کا فریضہ کیوں کر ساقط ہوگا۔

(شرح النووی علی المسلم)

اس لیے حضرت تھانویؒ نے کہیں فرمایا ہے کہ کوئی کسی منکر پر نکیر محض اس وجہ سے نہ کرتا ہو کہ وہ خود بھی اس میں مبتلا ہے تو اس پر دو گناہ ہوں گے؛ ایک اس عمل کے ارتکاب کا، دوسرے ترکِ نہی عن المنکر کا، غرض خود عامل

نہ ہوں تب بھی برائی کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے،اس کی برکت سے انشاء اللہ روکنے والے سے بھی وہ گناہ چھوٹ جائے گا۔

گانے بجانے کی شادیوں اور معاصی و منکرات کی محفلوں میں شرکت کرنا:

آج کل ہمارے مسلم سماج کی تقاریب جن خرافات و بے جا مراسم کا شاخسانہ بنی ہوئی ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں ہے،تو ایسی محفلوں میں شرکت کے سلسلے میں صاحب بدائع الصنائع نے جو اصولی کلام کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے: جب کسی شخص کو ایسی تقریب میں مدعو کیا جائے جہاں لہویات گانا بجانا ہو رہا ہو، اگر پہلے سے اس بات کا علم ہے اور وہ ان منکرات کو روکنے پر قادر بھی ہے تو اس میں شریک ہو جانا چاہیے، اس لیے کہ اس میں دعوت کو قبول کرنے کی سنت اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی دو باتوں پر عمل ہو سکے گا، اور اگر ان معاصی کی روک تھام پر قدرت نہ ہو تو محض دعوت میں شرکت کی نیت سے جا سکتے ہیں؛ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اگر پہلے سے وہاں پر ہونے والے منکرات کا علم ہو تو نہ جائے اور ایسی جگہ پر نہ بیٹھنا ہی اولی اور بہتر ہے؛ ایک قول یہ ہے کہ اگر مدعو شخص کوئی مقتدی ہو مثلاً عالم و قاضی وغیرہ تو منکر پر نکیر کی قدرت ہو تو ضرور شرکت کرے ورنہ ایسی جگہ بالکل نہ جائے؛ اگر جا چکا تو فوراً واپس آجائے، وہاں بالکل بھی نہ ٹھہرے؛ اس لیے کہ ایسے مقامات پر علماء اور پیشوا حضرات کے جانے میں دین اور علم دین کا استخفاف اور اہل فسق کو فسق پر جری کرنا ہے جو کہ بالکل ناجائز ہے۔

(بدائع الصنائع:۱۲۸/ ۵)

غرض نہی عن المنکر شریعت کا فریضہ ہونے کے ساتھ فطرت کی آواز ہے، تربیتی ذمہ داری ہونے کے ساتھ اخلاقی فریضہ ہے، اگر ہر شخص اپنے اڑوس پڑوس اور پیش نظر ہونے والے معاصی کی اصلاح کرے گا تو خود اس کا دامن منکرات سے محفوظ رہے گا اور معاشرہ بھی نیکی اور صلاح کی راہ پروان چڑھے گا؛ البتہ اس کے تئیں جو شرعی نزاکتیں اور آداب ہیں ان کو ملحوظ رکھنا از حد ضروری ہے، یہ نہیں کہ کسی منکر کو دیکھ کر بہر صورت اس کی اصلاح کرنی ہے بلکہ وہاں استطاعت شرط ہے اور ساتھ ہی یہ بھی اطمینان ہو کے اس منکر پر نکیر کے نتیجے کوئی اور بڑا منکر۔ جھگڑا فساد وجود میں نہ آئے کیونکہ ایسی صورت میں ترکِ نہی عن المنکر ہی افضل ہے۔

اصلاحی مضامین

''عافیت'' سراپا خیر اور عظیم ترین نعمت!

بہ قلم: مولانا محمد عمر نظام آبادی قاسمی*

انسانی زندگی کے سمندر کا تلاطم حالات کی موجوں کے اتار چڑھاؤ سے وجود میں آتا ہے، کبھی مسرت و شادمانی ہے تو کبھی رنج وغم، کبھی قبض تو کبھی بسط، کبھی خزاں تو کبھی بہار، کبھی خوش حالی تو کبھی قحط سالی، کبھی صحت وتن درستی تو کبھی علالت و بیماری؛ حالات کبھی یکساں نہیں ہوتے، بہ قول علامہ اقبالؒ

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

سازگار حالات اور ناموافق احوال کا پیش آنا تکوینی نظام کا حصہ ہے، ابتلا و آزمائش سے حفاظت، کروب و آلام سے امن وسلامتی، آفات و پریشانی سے آزادی، اور جملہ مصائب ومشکلات سے حفاظت کا نام ''عافیت'' ہے، عافیت نہایت ہی مختصر اور جامع لفظ ہے؛ لیکن اس میں معانی ومفاہیم کا ایک گنجینہ پنہاں ہے؛ بلاشبہ ''عافیت'' انمول نعمت اور بیش قیمت خدائی تحفہ ہے، آسودگی اور مرفہ الحالی کی زندگی بسر کرنے کا لطف ایمان وایقان کے بعد سب سے بڑی دولت ہے؛ نیز بغیر عافیت کے انسانی زندگی دولت وثروت کی کثرت اور اسبابِ آرائش و آسائش کی بہتات ہوتے ہوئے بھی اجیرن اور دوبھر ہوجاتی ہے، نعمتوں کی قدردانی بقاءِ عافیت اور ازدیادِ نعمات کی ضامن اور کفیل ہے؛ لیکن آدم زاد نعمت کی قدر شناسی کے بجائے ناقدری کرکے موقع گنوا دیتا ہے، حقیقت یہی ہے کہ قدرِ نعمت بعدِ زوال' اور یہ بھی سچ ہے کہ ''قدر عافیت کسے داند کہ بہ مصیبتے گرفتار آید''

صبر وسزا کے بجائے عافیت مانگنی چاہیے!

شریعت مطہرہ نے اپنے پیروکاروں کو رضا بالقضاء کی تعلیم دی ہے، بندۂ مؤمن کا شعار تو یہ ہے کہ وہ ''والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالی پر ایمان لاکر خیر اور خوشی میں خدا تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے، شر اور مصیبت میں صبر کا دامن تھام لیتا ہے، انسان پر جب مصائب ومشکلات آپڑیں تو شریعت ہر صاحبِ ایمان کو ان

* فاضل دار العلوم دیوبند

پر صبر کرنے کی تعلیم دیتی ہے؛ لیکن بہت سی دفعہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض ضعیف الاعتقاد لوگ عافیت کی قدر کرنے کے بجائے اظہارِ توانائی کے نشہ میں توفیقِ صبر کی دعائیں کرتے ہیں اور کچھ انسان بڑی مصیبت کے بجائے چھوٹی مصیبت کا سوال کرتا ہے؛ حالاں کہ ایسے موقع پر عافیت وسلامتی کی دعا مانگنی چاہیے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعا مانگتے دیکھا: ''اللّٰھُمَّ إِنِي أَسْأَلُکَ الصَّبر'' (''اے اللہ! میں آپ سے صبر مانگتا ہوں۔'') تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے منع فرمادیا کہ: ''سَأَلْتَ اللهَ الْبَلاءَ۔'' صبر تو بلاء ومصیبت پر ہوتا ہے، ''فَسَأَلُهُ العَافِیَة'' ۔۔۔۔۔۔ ''تم اللہ سے صبر کی دعا مانگنے کے بجائے عافیت کی دعا مانگو۔''

اور ایک حدیث مبارکہ میں اماں جان حضرت عائشہ صدیقہؓ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرماتی ہیں: "ما خير رسول الله ﷺ فی امرين إلا اخذ ايسر هما ما لم يكن إثما.... "(موطاامام مالک:۲۶۲۷) (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جن دو کاموں میں اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے آسان کام ہی اختیار کیا بشرطیکہ وہ گناہ والا (ناجائز) کام نہ ہوتا)

آفات ومصائب قدرتی اور سماوی تو ہوتے ہیں؛ لیکن بالعموم یہ مشاہدہ ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ غیر متعلقہ امور میں پڑ کر اور غیر ضروری مقدمات میں پھنس کر خود مشکل میں پڑ جاتے ہیں اور پریشان ہوتے ہیں؛ حالاں کہ یہ خلافِ عقل امر اور عافیت کی ناقدری ہے، دانش مندی کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اپنے متعلقہ حلقہ اور محدود دائرہ میں رہیں اور دوسروں کے معاملات میں مداخلت سے گریز کریں، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا سکھائی ہے: "اللهم إني اعوذبك من زوال نعمتك وتحول عافيتك وفجاءة نقمتك وجميع سخطك ".(اے اللہ! میں تیری نعمت کے زوال سے، تیری دی ہوئی عافیت کے پلٹ جانے سے، تیرے ناگہانی عذاب سے اور تیرے ہر قسم کے غصے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔)

عافیت کے سلسلہ میں اکابر کا نقطۂ نظر!

مادیت پرستی کے اس دور میں مال وزر کو ہی جزوِ زندگی اور مقصدِ حیات گردانا جاتا ہے؛ جب کہ کثرتِ مال واسباب سے زیادہ بہتر پرسکون زندگی کا میسر ہونا ہے، اس لیے بعض بزرگوں سے یہ منقول ہے کہ: ''القليل مع العافية خير من الكثير مع القوارع۔'' (عافیت کے ساتھ تھوڑا مال اُس زیادہ مال سے بہتر ہے جو مصیبتوں کے ساتھ ہو۔)

اسی طرح عقل مندوں کا یہ قول ہے کہ: ’’العافیۃ تاج علی رؤوس الأصحاء لا یراہ إلا المرضیٰ ‘‘ (عافیت تو ایک تاج ہے جو تندرست لوگوں کے سروں پر سجا ہوا ہے، وہ خود تو اس تاج کو نہیں دیکھ سکتے، ہاں! جو مریض ہوں، وہ اس تاج کو تن درستوں کے سروں پر دیکھ رہے ہوتے ہیں۔)

نیز صاحبِ مظاہرِ حق علامہ نواب قطب الدین دہلویؒ ’’نسأل اللہَ العافیۃَ ‘‘ کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

’’اللہ تعالیٰ عافیت مانگنے کو بہت پسند کرتا ہے، اس کے برابر اور کسی چیز کے مانگنے کو پسند نہیں کرتا، عافیت کے معنی ہیں: دنیا و آخرت کی تمام ظاہری و باطنی غیر پسندیدہ چیزوں: تمام آفات و مصائب، تمام بیماریوں اور تمام بلاؤں سے سلامتی و حفاظت؛ لہٰذا عافیت، دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں پر حاوی ہے۔ جس نے عافیت مانگی، اس نے گویا دنیا و آخرت کی تمام ہی بھلائیاں مانگ لیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ عافیت مانگنے کو پسند کرتا ہے۔‘‘

ماضی قریب کے صاحبِ نسبت بزرگ حضرت ڈاکٹر عبد الحی عارفیؒ فرمایا کرتے تھے کہ: ’’عافیت بہت بڑی چیز ہے، بہت اونچی نعمت ہے، اور عافیت کے مقابلے میں دنیا کی ساری دولتیں ہیچ ہیں، کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتیں؛ نیز وہ فرماتے تھے کہ: عافیت دل و دماغ کے سکون کو کہتے ہیں، اور یہ سکون اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے، یہ دولت اللہ تعالیٰ بغیر کسی سبب اور استحقاق کے عطا فرماتے ہیں، عافیت کوئی آدمی خرید نہیں سکتا، نہ روپیہ پیسے سے عافیت خریدی جا سکتی ہے، نہ سرمایہ سے اور نہ ہی منصب سے کوئی عافیت حاصل کر سکتا ہے، عافیت کا خزانہ صرف اور صرف خدا تعالیٰ کے پاس ہے، اس کی ذات کے سوا کوئی عافیت نہیں دے سکتا۔‘‘

ایک مرتبہ حضرت مفتی محمود الحسن صاحبؒ سے عافیت کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: کہ جس شخص کو تین چیزیں نصیب ہو جائے تو سمجھ لو کہ اسے عافیت مل گئی:

(۱) اتباعِ سنت کی توفیق مل جائے۔ (۲) بآسانی سانس آتی جاتی ہو، (آکسیجن کی ضرورت نہ پڑے)
(۳) وقت پر حلال کی روزی مل جائے۔ (راوی: مولانا شیخ حنیف لوہاروی صاحب)

داعی و مبلغ حضرت مولانا ابراہیم دیولا صاحب ادام اللہ بقاءہٗ ’’عافیت‘‘ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ’’دینی فتنہ اور جان لیوا بیماری سے نجات پانا عافیت ہے‘‘۔

عافیت طلبی افضل ترین دعا ہے!

دعا مؤمن کا سب سے بڑا ہتھیار اور عبادت کا نچوڑ ہے، دعا کی یہ تاثیر ہے کہ اس سے نازل شدہ آفت سے بھی چھٹکارا ملتا ہے اور آئندہ نازل ہونے والی آفات و بلیات سے بھی حفاظت ہوتی ہے؛ چنانچہ ارشادِ نبوی

ہے: "دعا ہر حال میں نفع پہونچاتی ہے جو (آفات) نازل ہوگئی ان کو دور کرنے میں مفید ہوتی ہے اور جو ابھی نازل نہیں ہوئی وہ دعا سے ٹل جاتی ہیں؛ لہٰذا دعا کا خاص اہتمام کرو"۔ (سنن ترمذی)

خدا تعالیٰ سے مانگی جانے والی دعاؤں میں سب سے افضل اور پسندیدہ "عافیت طلبی" ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشتر احادیث میں طلبِ عافیت کی دعائیں سکھائی ہیں؛ چنانچہ سطورِ ذیل میں چند دعائیں درج کی جاتی ہے جن کا معمول بنا لینے سے ان شاء اللہ ہر طرح کے شر اور نقصان سے تحفظ اور بچاؤ ہوسکتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح وشام میں ان دعاؤں کا پڑھنا نہیں چھوڑتے تھے:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي، اللّٰهُمَّ استرْ عَوْرَاتِي، وآمِنْ رَوْعَاتِي، اللّٰهُمَّ احْفَظْنِي مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ، ومِنْ خَلْفِي، وَعن يَمِينِي، وعن شِمالِي، ومِن فَوْقِي، وأعُوذُ بِعَظَمَتِكَ أنْ أُغْتَالَ مِنْ تحتي (مسند احمد: ۲/ ۲۵)

(اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں عافیت کا طالب ہوں، اے اللہ! میں تجھ سے اپنے دین ودنیا اور اپنے اہل و مال میں معافی اور عافیت کا طالب ہوں، اے اللہ! میرے عیوب چھپا دے، میرے دل کو مامون کردے، اور میرے آگے پیچھے، دائیں بائیں، اور اوپر سے میری حفاظت فرما، اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں نیچے سے ہلاک کئے جانے سے)

(۲) حالتِ عافیت میں نعمتِ عافیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، اور عافیت کے بقا و دوام کی دعا اور مستقبل کی مشکلات اور مصیبتوں سے بچنے کی دعا مانگنی چاہیے۔

" اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ تَمامَ الْعَافِيَةِ وَ أَسْأَلُكَ دَوَامَ الْعَافِيَةِ وَ أَسْأَلُكَ الشُّكْرَ عَلَى الْعَافِيَةِ وَ أَسْأَلُكَ الْغِنٰى عَنِ النَّاسِ، اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَالمعَافَاةَ الدَّائِمَةَ فِي الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ.

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ، وَأَعُوذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبرِ، وَأَعُوذُبِكَ مِنَ الْفِتَنِ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، وَأَعُوذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجالِ".

(اے اللہ! میں آپ سے مکمل عافیت کا سوال کرتا ہوں، اور آپ سے عافیت کے دوام کا سوال کرتا ہوں، اور عافیت پر شکر گزاری کی آپ سے دعا کرتا ہوں، اور لوگوں سے بے نیازی کی آپ سے دعا کرتا ہوں۔

اے اللہ! میں آپ سے بخشش اور عافیت اور دین و دنیا اور آخرت میں ہمیشہ کی معافی کا سوال کرتا ہوں۔

اے اللہ! میں جہنم کے عذاب سے، اور قبر کے عذاب سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں، اور ظاہر و باطن تمام

فتنوں سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں اور دجال کے فتنے سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔)(صحیح مسلم:۲۸۶۷)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا تھی:"اللهم إني اعوذ بك من زوال نعمتك وتحول عافيتك وفجاءة نقمتك وجميع سخطك".(اے اللہ! میں تیری نعمت کے زوال سے، تیری دی ہوئی عافیت کے پلٹ جانے سے، تیرے ناگہانی عذاب سے اور تیرے ہر قسم کے غصے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔)(سنن ابی داود:۱۵۴۵)

ایک حدیث میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذان واقامت کے درمیان عافیت مانگنے کی تعلیم دی ہے؛ چنانچہ روایت میں ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم اس وقت کیا دعا کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:"سلوا الله العافية في الدنيا والآخرة"(اللہ سے دنیا وآخرت کی عافیت مانگو۔)(سنن ترمذی:۳۵۹۴)

حاصل کلام یہ کہ عافیت کے ہوتے ہوئے قدر کرنی چاہیے، اگر خدانخواستہ مصیبت آجائے تو جزع فزع اور شکوہ شکایت کے بجائے صبر سے کام لینا چاہیے، اور ذاتِ باری تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھتے ہوئے فراخی و کشائش کا انتظار وامید رکھنی چاہیے، اور اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں راضی رہنا چاہیے۔

پروردگارِ عالم سے دعا ہے کہ اے اللہ ہمیں دونوں جہاں کی مکمل عافیت عطا فرمائے اور ہر طرح کے آفات ومصائب سے محفوظ فرمائے اور ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے۔آمین

قناعت اور استغنا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے اپنے کو بچانا چاہتا ہے تو اللہ اس کی مدد کرتا ہے اور سوال کی ذلت سے اسے بچاتا ہے اور جو بلاضرورت مال بڑھانے کے لئے سوال کرتا ہے اللہ اس کا فقر ختم نہیں کرتا اور اس کی تنگ دستی میں اضافہ ہوجاتا ہے اور وہ ایسا ہے جیسے آگ کی چنگاریوں میں ہاتھ ڈالنے والا۔

(ماخوذ: آج کا سبق، ص:۱۹۵)

افاداتِ اکابر

درسِ شمائل

درجِ ذیل تحریر طوطئ ہند، استاذ الاساتذہ، محدث ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی محمد راشد صاحب اعظمی دامت برکاتہم کی درسی تقریر ہے جو حضرت والا نے طلبۂ دورہ حدیث ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد کے درمیان شمائل ترمذی کے اختتام پر فرمائی ہے۔ ازمرتب

من رانی فی المنام فقد رانی، من شرط کے معنیٰ کو متضمن ہوتا ہے اوراس کی جزا پر ف آتا ہے، یہاں قد تحقیق کے لئے ہے، ''جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا ہے''، یہ بہت بڑی بات ہے اس لئے کہ امتی رسول پاک ﷺ کو خواب میں دیکھنا چاہتے ہیں اوراس کے لئے بہت سے لوگ درود شریف کثرت سے پڑھتے ہیں اور رسول پاک ﷺ کو خواب میں دیکھتے ہیں، ایسے ہی جو حضور ﷺ کے دین کی خدمت میں کرتے ہیں وہ حضور ﷺ کو خواب میں دیکھتے ہیں۔

● ایک بزرگ تھے سائیں توکل شاہ، وہ اپنے حالات میں لکھتے ہیں کہ ''میں جب درود شریف پڑھتا ہوں تو حضور ﷺ کو دیکھتا رہتا ہوں'' یہ ایک مقام ہے جو بہت زیادہ درود پڑھنے والے کو ملتا ہے کہ حضور ﷺ سے نسبتِ حضوری حاصل ہوجاتی ہے، آپ نے منطق میں پڑھا ہوگا ''الحاضر عند المدرک'' جاننے والے کے پاس وہ چیز حاضر ہوجائے۔

● بعض بزرگ ایسے بھی گذرے ہیں کہ جب کوئی اہم کام ہوتا ہے تو رسول پاک ﷺ کو خواب میں دیکھتے ہیں اور آپ سے مشورہ اور راہ نمائی لیتے ہیں، رسول پاک ﷺ خواب ہی میں امت کو راہ نمائی کرتے ہیں، چناں چہ مولانا عبدالباقی فرنگی محلی بہت بڑے محدث تھے، مدینہ ہجرت کرکے چلے گئے تھے اور وہاں حدیث شریف کا درس دیتے تھے، جب بہت بوڑھے ہوگئے تھے، اپنے گھر سے مسجد تک آنے کی بھی اُن میں طاقت نہیں تھی؛ مگر اُن کی تمنا تھی کہ آخر تک مسجدِ نبوی میں درس دوں، چناں چہ انہوں نے کسی سے کہا کہ دہلی میں

حکیم عبدالوہاب نابینا ہیں۔۔۔۔ وہ ایک دوا ''روح الذہب'' نام کی بناتے ہیں اور اسے بوڑھا آدمی کھاتا ہے تو قوت آجاتی ہے۔۔۔۔ اُن کے پاس سے ایک شیشی مجھے لاکر دو، تو کوئی تاجر دلی گیا اور لے آیا، لیکن ایک شیشی سے کیا کام ہوتا؟ اُن دِنوں حکیم عبدالوہاب نابینا سوئے ہوئے تھے خواب میں رسول پاک ﷺ کو دیکھا کہ رسول پاک ﷺ ان کا صندوق چہ۔۔۔۔ جس میں خصوصی دوائیں رکھی ہوئی تھیں۔۔۔۔ کھول کر دیکھ رہے ہیں، انہوں کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کیا چیز مشاہدہ فرمارہے ہیں؟ فرمایا کہ میں ''روح الذہب'' تلاش کررہا ہوں، وہ مولانا عبدالباقی کو بھیجنا ہے۔ بتائیے! رسول پاک ﷺ کو اس محدث کی طرف کتنی توجہ ہے کہ دوا کی فکر فرما رہے ہیں، حکیم عبدالوہاب نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! وہ دوا تو ختم ہوگئی، فرمایا: تیار کرو اور مولانا عبدالباقی کے پاس بھجواؤ، (سب خواب ہی میں یہ راہنمائی ہورہی ہے۔) وہ نیند سے بیدار ہوئے اور جلدی سے دوا بنائی، بہت قیمتی دوا تھی اور چھ سات شیشیاں کسی مدینہ جانے والے تاجر کے ہاتھ روانہ کیا۔ دیکھو! رسول اللہ ﷺ! یہی نہیں کہ خواب میں راہ نمائی کرتے ہیں بل کہ اپنے دیوانوں کی فکر بھی کرتے ہیں، محدث جو حدیث پڑھانے والا ہے وہ اپنے نبی کا دیوانہ ہوتا ہے، اس کی طرف رسول پاک ﷺ کی بہت زیادہ توجہ ہوتی ہے۔

● شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا مکاشفہ ہے کہ جو محدث ہوتا ہے، حدیث کا درس دیتا ہے، حدیث سے شغف رکھتا ہے، حدیث پر کتابیں لکھتا ہے، حدیث لوگوں کو بتاتا ہے، معانی ومطالب سمجھتا ہے اور دوسروں کو عمل کراتا ہے تو رسول پاک ﷺ کی قبر سے اس کی قبر تک نور کا سلسلہ قائم ہوجاتا ہے، یعنی حضور ﷺ کی قبر سے براہِ راست اس کی قبر پر فیض پہنچتا ہے، یہ حدیث کی شان ہے۔

ہم صحابی تو نہیں ہیں؛ مگر ہم عاشقوں کے لئے تسلی کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ اُنہیں خواب میں دیکھ لیں، صحابہؓ نے تو رسول پاک ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، ''جتنا چاہتے تھے دیکھتے تھے اور جب چاہتے تھے دیکھتے تھے، جہاد میں ساتھ ہیں، نماز میں ساتھ ہیں، گفتگو میں ساتھ ہیں، مجلس میں ساتھ ہیں، عیادت کے لئے جارہے ہیں تو وہاں ساتھ ہیں ہر جگہ ساتھ ہیں اور رسول پاک ﷺ کے دیدار سے مشرف ہورہے ہیں۔ ہم امتی اور ہم بھی عاشق رسول پاک ﷺ ہیں، لیکن ہم نہیں دیکھ سکتے تو ہماری تسلی کے لئے فرمایا گیا ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو مجھے ہی دیکھا، اگر یہ بات نہ ہوتی تو کوئی غلط آدمی ہمارے خواب میں آجاتا اور کہہ دیتا کہ میں رسول اللہ ہوں! اس لئے حضور ﷺ نے مطمئن فرمادیا کہ مجھے جو دیکھے گا اور اس کا ذہن یہ کہے گا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں تو یقیناً رسول اللہ ﷺ ہی ہوں گے، ''فان الشیطٰن لا یتمثل بی'' کہ شیطان میری شکل بنا کر نہیں آسکتا، اس لئے کہ خواب میں تصرف شیطان ہی کرتا ہے، اور شیطان ہر شکل میں آسکتا ہے،

جنید بغدادی بھی بن سکتا ہے اور بڑے سے بڑا قطب اور ابدال بھی بن سکتا ہے؛ لیکن وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل میں نہیں آ سکتا۔ یہ ہم پر بہت بڑا احسان ہے کہ ہم خواب میں دیکھیں گے تو کس کو دیکھیں گے؟ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو۔

● شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنیؒ جب راہِ سلوک طے کر رہے تھے تو مدینے سے مکے کے سفر میں رابغ نامی مقام پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ مانگو کیا مانگتے ہو؟ حضرت شیخ الاسلامؒ نے دیکھو کیا مانگا، غور سے سنو کیا مانگا؟ ''جو کتابیں پڑھی ہیں وہ یاد ہوجائیں اور جو نہیں پڑھی ہیں تو اتنی قوت حاصل ہوجائے کہ مطالعہ سے ان کتابوں کو حل کرلوں''، (مجھے یہ خواب میرے والد صاحبؒ نے بتایا تھا) دیکھئے! کچھ اور نہیں مانگا، مانگا تو علم ہی مانگا، اس لئے کہ یہی وہ چیز ہے جس کے مانگنے کی اللہ تبارک تعالیٰ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلقین فرما رہے ہیں ''قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا'' شیخ الاسلامؒ نے یہ چیز مانگی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جاؤ تم کو دیا، چناں چہ اس کے بعد مدینہ شریف میں حدیث شریف اور دوسرے علوم کا درس شروع کیا، درس ایسا مقبول ہوا کہ مسجدِ نبوی میں اہل درس کے حلقے لگتے تھے، شامی، یمنی، مدنی، مکی علماء سب بڑے بڑے علما پڑھتا تھے لیکن یہ ہندی عالم جس کی عربی بھی اتنی شان دار نہیں تھی، عربی بولتے تھے مگر اس طرح نہیں جس طرح مقامی لوگ بولتے تھے۔ چناں چہ سب کے حلقہائے درس ٹوٹ گئے اور سب کے طلباء انہی کے سبق میں آنے لگے یہاں تک کہ لوگ ان سے جلنے لگے، یہ وہی فیض ہے جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا ہے۔ تمہارے علمی اضافہ کے لئے میں بتادوں کہ شیخ الاسلام نے مدینے میں علمائے خیر آباد کے طریقے پر درس دینا شروع کیا ـــــ خیر آباد کے علماء جنہوں نے مرقات و منطق کی کتابیں لکھی ہیں ـــــ یہ لوگ کتاب سامنے رکھ کر نہیں پڑھایا کرتے تھے، طلبہ کے ہاتھ میں کتاب ہوتی تھی اور ان کے ہاتھ میں کتاب نہیں ہوتی تھی، ساری باتیں زبانی ہوتی تھیں، حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں میں رات بھر اسی طرح تیاری کرتا تھا، اور کوئی کتاب سامنے نہیں رکھتا تھا اور زبانی درس دیتا تھا، مکی و مدنی علماء سامنے کتاب رکھ کر درس دیا کرتے تھے، کتاب ہی نہیں، شرح بھی رکھتے تھے اور حاشیہ بھی رکھتے تھے، یہ ہندی عالم کا نیا انداز تھا جو دارالعلوم دیوبند کا فارغ تھا، اس طرح دارالعلوم دیوبند کا فارغ سب پر چھا گیا۔

وہ مجھ پے چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ پر چھا گئے تو میں زمانے پر چھا گیا، جگر مراد آبادی کے شعر کا مصرع ہے مجھ کو مولانا اعجاز صاحب نے سنایا تھا، انہوں نے کسی اور واقع کے ذیل میں حضرت مدنیؒ ہی کے بارے میں فرمایا تھا کہ ''وہ

مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا''۔ چناں چہ حضرت شیخ الاسلامؒ اتنے مقبول ہوئے اتنے مقبول ہوئے کہ لوگ دیوانہ وار ہزاروں کی تعداد میں دیکھنے کے لئے آجاتے تھے، چہرے پر اتنا نور تھا کہ کوئی مخالف بھی آتا تھا تو صورت شکل دیکھ کر معتقد ہوجاتا تھا، چناں چہ احیا اعظمی کہتے ہیں ؎

تعال اللہ رخشندہ و تابندہ پیشانی
کہ جس کو دیکھ کر ہوتا ہے تازہ ذوق ایمانی
پہنچ کر بزمِ اقدس میں نگاہیں محوِ حیرت ہیں
فرشتہ ہے کوئی سامنے یا شکل انسانی

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ہمارے دور کے بہت بڑے محدث، بہت بڑے عاشقِ رسول گذرے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مختلف جہت سے ان سے خدمات لیں، ہم سب کے لئے بعد کے علماء میں وہ نمونہ ہیں اور میری معلومات کی حد تک اُن کے بعد اتنا بڑا کوئی عالم، اتنا بڑا ولی اور قطب پیدا نہیں ہوا۔

بہر حال! من رانی فی المنام فقد رانی جس نے خواب میں مجھے دیکھا اُس نے مجھے ہی دیکھا، فان الشیطن لا یتخیل بی، بعض روایتوں میں لا یتمثل بی ہے، شیطان میرا خیال لوگوں کے دل میں نہیں ڈال سکتا، شیطان کسی اور کی شکل میں آئے اور یہ خیال ڈال دے کہ رسول اللہ ہیں، ایسا نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح حدیث میں ہے:'' ورویا المومن جزء من ستة واربعین جزءاً من النبوة '' یعنی ''مومن کا خواب نبوت کے حصوں میں سے ۴۶ واں حصہ ہے''۔ کوئی کسی کا حصہ پا جائے تو وہ سراپا وہی چیز تو نہیں بنتا، نبوت تو نہیں ہوگی لیکن نبوت کی مثال بن جائے گا اور نبوت سے اس کا فیض حاصل ہوجائے گا،''مومن کا خواب نبوت کا ۴۶ واں حصہ ہے''، اس کی تشریح میں علماء فرماتے ہیں یہ متشابہات میں سے ہے؛ لیکن یہ یاد رکھنا کہ کوئی اچھا خواب دیکھ کر یہ دعویٰ نہ کردے کہ میں نبی ہوں، جیسے مرزا غلام احمد نے گندہ ہی خواب دیکھ کر نبوت کا دعویٰ کردیا، اچھا خواب دیکھنے والے نبوت کا دعویٰ نہیں کرسکتے تو گندا خواب دیکھنے والے نبوت کا دعویٰ کیسے کرسکتے ہیں؟

اس کے بعد حدیث ہے اذا ابتلیت بالقضا جب تم قاضی بنادیے جاؤ، مسلم پرسنل لا والے جگہ جگہ قاضی بناتے ہیں یہ تو عارضی قاضی ہیں، اسلامی حکومت والے قاضی نہیں ہیں، لیکن اگر اسلامی حکومت ہو، بادشاہ کسی کو قاضی بنادے، جب تم قضا میں مبتلا کردیئے جاؤ، ابتلیت کا لفظ بتلا رہا کہ قضا کی خواہش نہیں کرنی چاہیئے، لیکن زبردستی اگر قاضی بنادیا جائے تو بن سکتا ہے، امام اعظم ابوحنیفہؒ جن کے ہم ماننے والے ہیں وہ زبردستی کے باوجود

قاضی نہیں بنے، منصور نے کہا کہ آپ قاضی بن جایئے تو انہوں نے جواب دیا میں قاضی بننے کے لائق نہیں ہوں تو منصور نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو، امام صاحب بڑے ذہین آدمی تھے، انہوں نے کہا کہ تم نے میرے انکار کی دلیل فراہم کر دی، تم نے خود کہہ دیا کہ میں جھوٹ بولتا ہوں اور جھوٹا آدمی قاضی نہیں بن سکتا۔

لیکن اگر قاضی بنا ہی دیا جائے فعلیک بالاثر تو لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیثوں کو لازم پکڑے یعنی حدیثوں کے مطابق فیصلہ کرے، عام حالات میں بھی حدیثوں کو لازم پکڑنے کا حکم ہے، لیکن قاضی وہ ہوتا ہے جو لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہے جس پر لوگوں کی زندگی کے بننے اور بگڑنے کا دارومدار ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ جس کا حق نہیں اس کے لئے فیصلہ کردے اور جس کا حق ہو اس کے خلاف فیصلہ کردے تو اپنے لئے حدیث کو لازم پکڑے، حدیث کی روشنی میں اگر فیصلہ کرے تو انشاءاللہ وہ غلط نہیں ہوگا۔ حدیث کو لازم پکڑنے کا حکم اس قاضی کے لئے ہے جو درجۂ اجتہاد پر فائز ہو۔

اور وہ قاضی جو مجتہد نہیں ہے وہ فقہ کو لازم پکڑے، اس لئے وہ خود حدیث سے استدلال نہیں کر سکتا؛ اس لئے وہ فقہ کو لازم پکڑے اور فقہ نے لازم پکڑا ہے حدیث کو، اس طرح منطق کی شکل اول بن جائے گی، یعنی اس نے لازم پکڑا فقہ کو اور فقہ نے لازم پکڑا حدیث کو (اس لئے کہ کوئی فقہ حدیث کے بغیر ہو نہیں سکتی) تو اس نے لازم پکڑ لیا حدیث کو۔ الغرض قاضی اگر مجتہد ہے تو خود حدیث سے استدلال کرے اور اگر اتنا بڑا نہیں تو فقہ سے استدلال کرے، فقہ سے استدلال کرنے والا بھی اس حدیث کے خلاف نہیں ہوگا۔

آخری حدیث ہے ھذا الحدیث دین یہ حدیث دین ہے، یہ حدیث جو آپ پڑھ رہے ہیں بخاری، مسلم، ترمذی یہ دنیا نہیں ہے بلکہ دین ہے، اس کو دنیا کے لئے نہیں پڑھنا چاہئے کہ میں بہت بڑا محدث ہو جاؤں گا، لوگ میرا نام شیخ الحدیث رکھیں گے اور میرا بڑا چرچا ہوگا، دین کا مطلب یہ ہے کہ ہم اِن حدیثوں کو پڑھیں گے اور اُن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں دین کا طریقہ بتلایا ہے، لہٰذا اِن سے دین حاصل کریں گے اور انہی کی روشنی میں لوگوں کو دین بتائیں گے اور ان حدیثوں پر عمل کر کے اپنے دین اور آخرت کو سنواریں گے، اس طرح یہ حدیث دنیا نہیں ہے بل کہ دین ہے۔

فانظروا عمن تاخذون دینکم دیکھ لو کہ کن لوگوں سے اپنا دین حاصل کر رہے ہو۔ جب دنیا آدمی لیتا ہے تو اچھے تاجر کے پاس جاتا ہے اور جو تاجر ٹھگ ہوتا ہے، خراب سامان دیتا ہے اور پیسہ زیادہ لیتا ہے تو ہم اس کے پاس نہیں جاتے، جب دنیا میں یہ اہتمام کر رہا ہے تو حدیث تو دین ہے وہ آخری منتہیٰ اور منزل مقصود ہے، اس لئے جس سے دین حاصل کرو، حدیث حاصل کرو تو دیکھ لو کہ وہ دین میں کیسا ہے؟

چناں چہ محدثین نے اس پر بھرپور عمل کیا، وہ پہلے پرکھ لیتے تھے کہ وہ دیانت میں اچھا ہے یا نہیں؟ اگر وہ اچھا ہوتا تو اس سے حدیث لیتے تھے ورنہ نہیں، امام مالکؒ فرماتے ہیں: مدینہ میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کے تقویٰ وطہارت کی قسم کھائی جاسکتی ہے لیکن اس کے باوجود میں ان سے حدیث نہیں لیتا، یعنی اُن کا کہنا ہے کہ صرف تقویٰ وطہارت ہی نہ ہو؛ بلکہ دیانت داری، دین کی سمجھ، دین کا فہم، تفقہ فی الدین بھی اس کے اندر ہو۔

امام مالکؒ، کھڑے ہو کر حدیث نہیں حاصل کرتے تھے، ایک محدث کے پاس گئے امام مالکؒ کو جگہ نہیں مل پائی تو کھڑے ہو کر نہیں سنا واپس چلے آئے، فرمایا: میں علم حدیث کھڑے ہو کر نہیں سُن سکتا۔ کوئی عالم دنیا کا ایسا نہیں ہے جس نے علم کے لئے سفر نہ کیا ہو؟ صرف امام مالکؒ ایسے ہیں جو علم کے لئے مدینہ سے باہر نہیں گئے، لیکن امام مالکؒ سے حدیث حاصل کرنے کے لئے ساری دنیا کے علماء نے سفر کیا، ایران سے آرہے ہیں، سمرقند وبخارا سے آرہے ہیں، اندلس سے آرہے ہیں کہتے ہیں: بادشاہوں کے دروازے پر بھی اتنی بھیڑ نہیں ہوتی تھی جتنا کہ امام مالکؒ کے دروازے پر ہوتی تھی، چناں چہ بادشاہ لوگ (حسد کی آگ میں) جل گئے، شاید اسی لئے امام مالکؒ کو مسجد نبوی میں آنے کی اجازت نہیں تھی، امام مالکؒ سالہا سال سے مسجد نبوی میں نہیں آئے، وہیں گھر ہی میں نماز پڑھتے تھے؛ لیکن آج تک کسی نے امام مالکؒ پر اعتراض نہیں کیا، وہ توجیہ کرتے ہیں کہ کوئی نہ کوئی شرعی عذر ضرور ہوگا جس کی وجہ امام مالک گھر پر نماز پڑھ رہے ہیں، لوگوں کے دلوں میں ان کا اتنا اعتماد تھا۔

ایک محدث دوسرے بڑے محدث کے پاس حدیث حاصل کرنے کے لئے گئے تو دیکھا کہ وہ اپنے جانور کو بُلا رہے تھے اور ہاتھ سے اشارہ کر کے کہہ رہے تھے، لُو، لُو، لُو اور ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو انہوں نے دیکھا کہ ہاتھ میں کچھ نہیں ہے اور جانور کو بُلا رہے ہیں تو کہا کہ جب یہ شخص جانور کو دھوکہ دے سکتا ہے تو مجھے بھی حدیث میں دھوکہ دے سکتا ہے، اس لئے حدیث سنے بغیر سیدھے واپس چلے آئے۔

منتخب علماء جو دین دار ہوں اور جن کے دین پر آپ کو بھروسہ ہو اُن سے حدیث حاصل کرلیں، اب طلبہ یہ نہ کہیں کہ فلاں استاذ پر مجھ کو بھروسہ نہیں؛ اس لئے میں اُن سے حدیث نہیں لیتا، یہ تمہارے جتنے اساتذہ ہیں اور جتنوں کو اللہ نے پڑھانے کے لئے منتخب کرلیا ہے، یہ اللہ کے مقبول بندے ہیں، تم اپنے استاذ کو امام مالک سمجھو، تمہارے امام مالک یہی ہیں، تمہارے امام شافعی یہی ہیں، اور تمہارے احمد بن حنبل یہی ہیں، اس لئے کہ یہی تم کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جوڑنے والے ہیں، ہمارے لئے امام مالک اتنے اہم نہیں ہے کیوں کہ وہ ہم کو رسولُ اللہ سے نہیں جوڑ رہے ہیں اور ہمارے استاذ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جوڑ رہے ہیں، دین سند در سند چلتا ہے، ان ھذا الدین اسناد یعنی دین نام ہے سند کا۔

فکر ونظر

وقف ایکٹ کی منسوخی کی طرف پہلا قدم!

ازقلم: مفتی محمد نوید سیف حسامی، ایڈوکیٹ*

۸ دسمبر ۲۰۲۳ء کو راجیہ سبھا کے سرمائی سیشن میں بی جے پی کے رکن پارلیمنٹ ہرناتھ سنگھ یادو نے وقف ایکٹ ۱۹۵۵ء کو بالکلیہ منسوخ کر دینے والا ایک پرائیویٹ ممبر بل پیش کیا، پرائیویٹ ممبر اور اس کی جانب سے پیش کردہ بل کی قانونی حیثیت ونیز اس بل کے مقاصد کی تفصیلات زیر نظر مضمون میں قلم انداز کی گئی ہیں، ہماری ریاست کے مؤقر عالم دین حضرت مولانا احمد عبید الرحمن اطہر صاحب مدظلہ کی جانب سے اشارہ ہوا تھا کہ اس بل کی حقیقت واثرات تحریر میں آنے چاہئیں، حکم کی تعمیل میں یہ سطور رقم کی جارہی ہیں......

وقف ایکٹ ۱۹۵۵ء اور وقف املاک

ہندوستان کی آزادی کے بعد مسلمانوں کی وقف املاک کے تحفظ اور اس سے متعلق بہتر اقدامات کے لئے یہ قانون بنایا گیا تھا، بعد ازاں اس میں وقتاً فوقتاً ترمیمات ہوتی رہی ہیں، تازہ ترمیم راجیہ سبھا ممبر ڈاکٹر فوزیہ خان صاحبہ نے ۲۰۲۲ء میں پیش کی تھیں، فوزیہ صاحبہ مہاراشٹرا وقف بورڈ کی ممبر ہیں اور این سی پی (نیشنلسٹ کانگریس پارٹی) کی جانب سے سیاست میں کافی متحرک رہی ہیں، وقف ایکٹ وزارت اقلیتی امور کے تحت کام کرتا ہے اور ملک عزیز میں حکومت ہند اور ریلوے کے بعد وقف بورڈ ہی سب سے زیادہ اراضی کا مالک ہے، انڈین ایکسپریس کے مطابق ملک بھر میں آٹھ لاکھ ستر ہزار وقف جائیدادیں ہیں جو نو لاکھ چالیس ہزار ایکڑ رقبہ پر پھیلی ہوئی ہیں، حالیہ ایام میں وقف ایکٹ اور وقف بورڈ کو محسوس وغیر محسوس دونوں طرح سے نشانہ بنایا جارہا ہے، ایک طرف ہماری اپنی غفلت ولاعلمی ہے تو دوسری جانب منظم سازشیں ہیں، وقف ایکٹ کے تئیں غلط فہمی یہ پھیلائی گئی اور جارہی ہے کہ یہ قانون مسلم املاک کے تحفظ کے لئے نہیں بلکہ ہندوؤں کی جائیدادوں پر ناجائز قبضے کو جائز کرنے کے لیے بنایا گیا ہے......

اس مضمون کی تیاری کے دوران ٹائمس آف انڈیا کی ویب سائٹ پر راجیو گپتا نامی چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کا ۲۰۲۲ء میں شائع شدہ ایک آرٹیکل پڑھنے کو ملا جس کا ہر حرف زہر میں ڈوبا ہوا ہے، اس نے وقف ایکٹ کی

مختلف دفعات کی غلط تشریح کرتے ہوئے قارئین کو یہ باور کروایا ہے کہ وقف کے نام پر کس طرح غیر مسلوں کی جائیداد ہڑپ کی جارہی ہے، پیوستہ برس ۲۰۲۲ء میں تامل ناڈو وقف بورڈ نے کئی سوا یکڑ زمین کے موقوفہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا جس میں خبروں کے مطابق پندرہ سو برس قدیم مندر بھی شامل ہے، اس خبر نے جلتی پر تیل کا کام کیا ہے اور وقف ایکٹ ہی نظروں میں کھٹکنے لگا ہے......

پرائیویٹ ممبر بل

وقف ایکٹ کے تعلق سے جو بل پیش ہوا ہے وہ ایک پرائیویٹ ممبر بل ہے، پرائیویٹ ممبر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا ممبر جو حکمران پارٹی کا تو ہو لیکن کابینہ میں شامل نہ ہو یعنی آسان الفاظ میں منسٹر نہ ہو، عموماً منسٹرز ہی کوئی بل پیش کرتے ہیں جو پہلے کابینہ کی میٹنگ میں ڈسکس کئے جاتے ہیں پھر پارلیمنٹ میں پیش ہوتے ہیں، ہرناتھ سنگھ یادو کابینہ کے وزراء میں نہیں ہے اس لئے ان کا پیش کردہ بل ایک پرائیویٹ ممبر بل ہے، پرائیویٹ ممبر بل صرف جمعہ کو پیش کئے جاتے ہیں اور اسے پیش کرنے سے قبل سبھا کے تمام ممبران کی اجازت ضروری ہوتی ہے، پارلیمنٹ کی تاریخ میں صرف چودہ پرائیویٹ ممبر بل منظور ہو کر قانون بنے ہیں، کسی پرائیویٹ ممبر کی جانب سے پیش کئے گئے بل کے قانون بن جانے کا واقعہ آخری مرتبہ 1970 میں ہوا تھا اس کے بعد سے ایسا نہیں ہوا، یعنی بادی النظر میں پرائیویٹ بل کوئی اہمیت کا حامل نہیں ہوتا......

وقف ناسخ بل ۲۰۲۳ء

ہرناتھ سنگھ یادو نے ۸ دسمبر بروز جمعہ یہ بل پیش کیا، تفصیلات میں یہ بات بھی ملی ہے کہ جمعہ کے دن پارلمینٹ کے مسلم ممبران کی نماز جمعہ کی ادائیگی کا خیال کرتے ہوئے سبھا کی کاروائی آدھا گھنٹہ تاخیر سے یعنی ڈھائی بجے شروع ہوتی ہے، ہندوستان ٹائمس کے مطابق ۸ دسمبر کو دو بجے ہی کاروائی شروع کردی گئی جبکہ مسلم ممبران وہاں غیر موجود تھے، دیگر ممبران بھی وہاں حاضر نہیں تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ ہمارے علم میں لائے بغیر سیشن آدھا گھنٹہ پہلے شروع کردیا گیا، ہرناتھ سنگھ جیسے ہی بل پیش کرنے کھڑے ہوئے اپوزیشن پارٹی ممبران نے سختی سے اس بل کی مخالفت کی، بل پیش کئے جانے یا نہ کئے جانے پر ووٹنگ ہوئی جس میں ترپن حق میں جبکہ بتیس مخالفت میں ووٹ آئے اس طرح بل پیش کردیا گیا، فی الحال اس بل کو مباحثہ کے لئے اٹھا کر رکھا گیا ہے، ایک معنی میں یہ بل زیر التواء ہی سمجھا جائے، ہونے کو تو خیر کچھ بھی ہوسکتا ہے......

وقف ناسخ بل اور اس کے پیش کنندہ ہرناتھ سنگھ کے مطابق وقف ایکٹ ملک میں مذہب کے نام پر تفریق پیدا کرتا ہے، دیگر مذاہب کے ماننے والوں بالخصوص ہندوؤں کو اپنی املاک کے متعلق ایسا کوئی حق حاصل نہیں

ہے، راجیہ سبھا میں ترنمول کانگریس، ڈی ایم کے، سی پی آئی، سی پی آئی (ایم) اور آر جے ڈی نے شدت سے اس بل کی مخالفت کی ہے، یہاں یہ تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ بیاسی سالہ ہرناتھ سنگھ کٹر ہندوتو انظریہ کے حامل سیاست داں ہیں، جوانی آر ایس ایس کے پر چارک کی حیثیت سے گذری ہے، دو مرتبہ اتر پردیش کے چیف منسٹر رہ چکے ہیں اور کلیان سنگھ کے قریبی مانے جاتے ہیں جس کے ہاتھ بابری کی شہادت سے رنگے ہیں......

اس مضمون سے اِخبار واطلاع مقصود ہے نہ کہ انذار وانتشار، نیز عملی اقدامات ورد عمل کی تفصیل بھی ان سطور کی تحریر کا موضوع نہیں، یہ شوشہ متعلقہ ذمہ دارانِ امت وملت پر چھوڑا جاتا ہے کہ وہ ان معلومات کی روشنی میں راہِ عمل طئے فرمائیں، یہ بھی خیال رہے کہ وقف کی اصطلاح میں قانوناً سبھی مساجد و مدارس داخل ہیں، زد میں ہر ادارہ آسکتا ہے کیونکہ باعتبار شرع ساری مساجد وقف ہیں اور مدارس بھی......

حفظِ قرآن

بانی و مہتمم ادارہ حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم نے طلبہ حفظ کو آخری سبق کی مجلس میں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

- قرآن کی محبت اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہیئے۔
- قرآن قبر کا مونس ہے، حافظ قبر میں قرآن سے اُنس حاصل کرے گا۔
- حافظ نام ہی اس لئے دیا گیا کہ آپ قرآن کی حفاظت کریں، بھول نہ جائیں۔
- خود پڑھ لینے سے قرآن یاد نہیں رہتا دوسرے کو سنانے سے یاد رہتا ہے، اس لئے ایک ساتھی بنا کر اس کو سنانے کا معمول بنانا چاہیئے۔
- جیسے جیسے عمر بڑھتی جائے قرآن کے دور بھی بڑھتے رہنا چاہیئے۔
- حفظِ قرآن کریم کی فضیلت دو شرطوں سے مشروط ہے: ۱) قرآن کو یاد رکھنا، اور اس کے لئے عمر بھر پڑھتے رہنا ہے۔ ۲) قرآن پر عمل کرنا، یعنی اس کے حلال کو حلال سمجھنا اور اس کے حرام کو حرام سمجھنا اور اس کے مطابق زندگی گذارنا۔
- حضرت قاری امیر حسن صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: طالب علم قرآن کو تین سال میں یاد کر لیتا ہے، لیکن تیس سال میں حافظ بنتا ہے۔

لمحہ فکریہ

دستاویزات کی درستگی؛ وقت کی اہم ترین ضرورت

2024 الیکشن کے تناظر میں

ازقلم: مفتی احمد عبید اللہ یاسر قاسمی*

ہندوستان میں اقلیتوں کو نظر انداز کیا جانا کسی اہل نظر اور دوراندیش سے مخفی نہیں ہے، بلکہ حالات کی سنگینی اور ابتری کو وہ دن بہ دن نت نئے زاویوں سے بڑھتا ہوا محسوس کررہے ہیں، فرقہ پرست عناصر کے خطرناک منصوبوں اور ناپاک عزائم کو مستقبل قریب میں پورا ہوتا دیکھ رہے ہیں اور آنے والے اندیشوں اور خطرات سے ملت کو مسلسل آگاہ اور اسکے بھیانک نتائج سے باخبر کررہے ہیں۔

(CAA) شہریت ترمیمی قانون، اور (NRC) شہریوں کا قومی رجسٹر وغیرہ کے موقع پر ملک کی بدترین صورتِ حال گذرے زیادہ وقت نہیں گزرا، شاہین باغ احتجاج اور اسکے مظاہرین کے ساتھ بدسلوکی کے واقعات کو ایک لمبا عرصہ نہیں بیتا حتیٰ کہ آسامی مسلمانوں کے ساتھ NRC کی بنیاد پر کی جانے والی سازش بھی کوئی پرانی بات نہیں ہے؛ لیکن اس کے باوجود اگر ہم بھول گئے تو آج اس ملک کے ہر ہر باشندہ بالخصوص قوم مسلم کے لئے ضروری ہے وہ ایک بار اس بھیانک اور خطرناک منظر کو ذہن میں لائے اور غور کرے کہ اس ملک کے باشندوں کو مردم شماری میں وطن کا شہری ثابت کرنا کس قدر ضروری اور اہم ہے۔

2024 کا لوک سبھا الیکشن؛ ہندوستان کی جمہوری تاریخ کا ایک نیا باب

موجودہ فرقہ پرست طاقتوں کے لیے 2024 کے مرکزی الیکشن میں کامیاب ہونا اور مکمل طاقت کے ساتھ اقتدار میں واپس آنا انتہائی اہم ہے کیوں کہ اس الیکشن کی کامیابی پر ہی بھگوائی جماعتیں اپنے فرقہ وارانہ سازشوں کو عملی جامہ پہنا سکیں گے جیسے ووٹنگ کو چند مخصوص طبقات کے لئے خاص کردینا، یکساں سول کوڈ، ون نیشن؛ ون الیکشن، پورے ملک میں CAA کا نفاذ حتیٰ کہ جمہوری ملک کو ہندوراشٹر بنانے کے ناپاک منصوبے بھی اسی الیکشن پر منحصر ہیں جو اس ملک کے سیکولرزم کے خلاف اور جمہوری شان کے منافی ہے۔ ان ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے فرقہ پرست عناصر پوری شدت کے ساتھ 2024 کے الیکشن پر نظریں مرکوز کئے ہوئے ہیں،

* خادم التدریس ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

اور اپنی پوری طاقت 2024 الیکشن کی کامیابی حاصل کرنے پر صرف کررہے ہیں، یہ بات ذہن و دماغ سے نکال دیجیے کہ دوبارہ CAA کا قانون نہیں لایا جائے گا، نیز اس بات کے بھرم میں بھی مت رہیے کہ ہمارے ساتھ اب تک کیا ہوا ہے؟ جواَب ہوگا، گذشتہ ستر سال کی طرح ہی ہم اس ملک میں بہ اطمینان وسکون رہ لیں گے نہیں، اور ہرگز نہیں، سینکڑوں دور اندیش افراد نے ملک اور ہم وطنوں کی روش کو جس تیزی سے تبدیل ہوتے دیکھا ہے ماضی میں اس کی مثال تو دور شاید اس کا تصور بھی نہیں تھا۔ CAA جیسا کالا قانون پاس ہوگیا، پرسنل لا میں مداخلت کی گئی۔

بابری مسجد قضیہ میں انصاف کے منہ پر کالک پوتی گئی، اور جمہوریت کے پس منظر میں عوام پر آمرانہ اور جابرانہ قوانین مسلط کئے گئے جسکے لیے ملک گیر احتجاجات ہوئے لیکن کسی پر کچھ اثر نہیں ہوا، آج بھی بھگوائی علمبردار اس ملک کے اقلیتوں کو یہ سمجھا رہے ہیں کہ CAA سے اقلیتوں بالخصوص مسلم کمیونٹی کو کوئی نقصان نہیں، یہ قانون صرف شہریت دینے کے لیے ہے، نہ کہ کسی کی شہریت لینے کے لیے جبکہ وزیر داخلہ بار بار یہ کہتے ہوئے نظر آئے ہیں کہ ''ہم شہریت ترمیمی قانون سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے''، نیز ''جسے جتنی مخالفت کرنی ہے کرے، لیکن CAA واپس نہیں ہوگا''۔

قارئین کرام! آپ خود سنجیدگی سے فیصلہ کریں اور سوچیں کہ نفرت کی سیاست کرنے والے حکمرانوں کے لئے بقائے جمہوریت کی کچھ اہمیت ہے بھی یا نہیں؟ اپنی سیاست کے خاطر شر وفساد کو بڑھاوا دینے والوں سے ہمدردی و باہمی رواداری کی امید رکھی جاسکتی ہے؟ آستھا کے نام پر انصاف کو پیروں تلے کچل دینے والوں سے منصفانہ سلوک کی توقع ممکن ہے؟

نہیں تو پھر ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم انکے مقابلہ کے لئے کمر بستہ ہوجائیں اور اس نازک دور اور پرفتن وقت میں اپنے اندر انابت ورجوع الی اللہ کی صفت پیدا کریں نیز جذبات کو بالائے طاق رکھ کر صبر وتحمل اور دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے خدارا اس ملک میں معتبر دستاویزات کو فوری طور پر درست کرنے کا مکمل اہتمام کریں! یہ کام اس وقت نوافل میں انہماک سے زیادہ ضروری ہے۔

دستاویزات کی تیاری کیسے کریں!

مندرجہ ذیل اہم کاموں کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے:

۱۔ اپنے گھر میں موجود ہر فرد کی تاریخ پیدائش نوٹ کرلیں۔ ۲۔ ان تاریخ پیدائش کو تین حصوں میں تقسیم کرلیں۔

(الف) وہ جو یکم جولائی 1987 سے پہلے پیدا ہوئے۔ (ب) وہ جو یکم جولائی 1987 اور 31 دسمبر 2004 کے درمیان پیدا ہوئے۔ (ج) وہ جو 31 دسمبر 2004 کے بعد پیدا ہوئے۔

۳۔ جو لوگ یکم جولائی 1987 سے پہلے پیدا ہوئے ہیں، وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ ان کے پاس پیدائش کا سرٹیفکیٹ یا پاسپورٹ میں سے کوئی ایک لازمی طور پر ہو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک ان کے پاس موجود ہے تو، ان کو پیدائشی طور پر براہ راست ہندوستانی مانا جائے گا۔ ان کو کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔

۴۔ یکم جولائی 1987 کے بعد پیدا ہونے والے تمام افراد اس بات کو یقینی بنائیں کہ ان کے پاس پیدائش کا سرٹیفکیٹ ضرور موجود ہو۔ اگر ان کے پاس پیدائش کا سرٹیفکیٹ ہے تو:

(الف) والدین میں سے کوئی ایک جو جولائی 1987 اور دسمبر 2004 کے درمیان پیدا ہوا ہے وہ ہندوستانی ہونا چاہیے۔ (ب) ان کے والدین میں سے کسی کا سن پیدائش یا نام، پیدائش کے سرٹیفکیٹ اور پاسپورٹ پر یکساں ہونا چاہیے۔ اگر ایسا ہے تو، وہ بھی نسل کے لحاظ سے ہندوستانی مانے جائیں گے۔ کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔

۵۔ 31 دسمبر 2004 کے بعد پیدا ہونے والے افراد کے والدین اگر (شہریت ایکٹ 1955 کے مطابق) ہندوستانی ہوں اور ان کے نام ان کے سرٹیفکیٹ سے میچ ہو رہے ہوں تو وہ بھی نسلا ہندوستانی ہیں۔ کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔

مذکورہ تفصیلات کی بنیاد پر ہر شخص اپنے گھر کا جائزہ لے اور ان لوگوں کی فہرست بنالے جن کے پاس پاسپورٹ یا پیدائش کا سرٹیفکیٹ نہیں ہے۔

پاسپورٹ بنوانے کے لیے:

آدھار کارڈ، پین کارڈ اور راشن کارڈ کے ذریعہ پاسپورٹ بنوایا جا سکتا ہے۔ یہ زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔

پیدائش کا سرٹیفکیٹ بنوانے کے لیے:

(الف) اگر آپ کی پیدائش اسپتال میں ہوئی ہے تو، اس علاقہ/ گاؤں/ تعلقہ/ کارپوریشن آفس جائیں جہاں وہ اسپتال واقع ہے اور اپنی تفصیلات کے ساتھ وہاں درخواست دیدیں۔ یہ کام بھی آسانی سے ہو جاتا ہے۔ اس کی فیس صرف ۲۰۰ روپئے ہے۔

(ب) اگر آپ گھر میں پیدا ہوئے ہیں تو، نوٹری تصدیق کے ساتھ ایک حلف نامہ تیار کرلیں کہ آپ کے پاس پیدائش کا سرٹیفکیٹ نہیں ہے۔ پھر اسے اپنے گاؤں/ تعلقہ/ کارپوریشن آفس میں جمع کردیں۔ اس آفس

سے آپ کو اس بات کا ثبوت فراہم کیا جائے گا کہ آپ کے پاس واقعی میں پیدائش کا سرٹیفکیٹ نہیں ہے۔ اس ثبوت کو آپ ڈسٹرکٹ کورٹ میں جمع کروادیں۔ وہاں آپ سے 200 روپئے سالانہ کے اعتبار سے جرمانہ وصول کر کے سرٹیفکیٹ فراہم کردیا جائے گا۔ (بہ شکریہ پی سید ابراہیم ایڈووکیٹ ہائی کورٹ، چنئی)

یہ کام توکل کے خلاف نہیں بلکہ عین توکل ہے

ان حالات کے باوجود بعض لوگ دستاویزات کی تیاری کو بالکل اہمیت نہیں دے رہے ہیں اور پوچھنے پر یہ بتاتے ہیں کہ یہ کام توکل کے خلاف ہے، ایسے لوگوں پر تو بس اللہ ہی رحم فرمائے! جو اپنی کسلانیت اور سستی کو توکل کا نام دے کر فی الحال خود بھی اپنے پیروں پر کلہاڑی مار رہے اور آئندہ اپنے اعزاء واقارب کے لیے وبال جان کا سبب ہوں گے؛ لہٰذا اپنے تمام دستاویزات بالخصوص برتھ سرٹیفکیٹ آدھار کارڈ، پان کارڈ، راشن کارڈ، تعلیمی اسنادات، زمینی کاغذات پاسپورٹ وغیرہ میں ناموں کی غلطیوں کو درست کرنے کی لازمی کوشش کریں اور اس کے ساتھ ساتھ کتاب وسنت پر مضبوطی سے عمل کرنے کا ارادہ کریں، اسلامی تعلیمات اور دینی وشرعی تہذیب کو اپنائیں۔ ماضی میں ہمارے اکابر نے اس ملک کے تحفظ وبقا کے لئے جو عظیم قربانیاں دے کر روشن کارنامے انجام دیئے ہیں ان کی پاکیزہ سیرت کا بہ غور مطالعہ کریں اور اہمیت کے ساتھ برادرانِ وطن کے ساتھ حسن سلوک کو فروغ دیں۔ اللہ ہم سب کا حامی وناصر ہو! اور اس ملک میں امن وامان باقی رہے۔ آمین

کعبہ بھی دکھا دینا روضہ بھی دکھا دینا

از: مفتی مکرم ادیب

کعبہ بھی دکھا دینا روضہ بھی دکھا دینا		اِن آنکھوں کی قیمت کو کچھ اور بڑھا دینا
مدت سے میرے دل میں ہے شوق مدینہ جو		گھر اپنے خدایا اب مجھ کو بھی بُلا لینا
جب پیاس کی شدت سے جا بھٹکوں ترے در پر		اُس وقت مرے آقا زمزم ہی پلا دینا
دل میں ہے مرے حسرت جالی جو سنہری ہے		دیکھو میں اُسے جی بھر موقع تُو بنا دینا
مکہ کے بھی اُس کوچے میں مجھ کو مرے مولیٰ		چلتے تھے جہاں آقا مجھ کو بھی چلا دینا
جب وقت اجل آئے خواہش ہے یہی میری		طیبہ میرا مدفن ہو سجدے میں اُٹھا لینا
اے کاش ہو ہی جائے دل میں ہے یہی ارماں		خوابوں میں سہی ان کا دیدار کرا دینا
کوثر پہ ترے عاشق کی وہ بھیڑ جو ہوگی		اُس وقت مکرمؔ کو اک جام پلا دینا

شخصیات

مولانا ابوالکلام آزاد؛ ایک ہمہ پہلو شخصیت

از: مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی*

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوئل میں ملت اسلامیہ کا دست وبازو بن کر ابھرنے والی،امت کو اپنی بصیرت افروز،دوربیں اور دانش مندانہ فکروں سے شعوروآگہی بخشنے والی اور ہندوستان کے دینی علمی اور سیاسی افق کو روشن وتاباں کرنے والی ہشت پہل شخصیات میں سرفہرست کوئی نام نظر آئے گا تو وہ جلی حرفوں میں مولانا ابوالکلام آزاد ہوگا؛جس نابغۂ روزگار نے اپنی دینی غیرت،ایمانی حمیت اور سیاسی بصیرت سے نہ صرف کشتئ ملت کو منجدھار سے نکالا؛بل کہ مستقبل کے لیے وہ روشن خطوط وزریں اصول عنایت کیے جو آج بھی لاقانونیت کے اس دور میں مشعل راہ اور خضر طریق ہیں۔آپ کی ذات،علم و ہنر،سنجیدگئ فکرونظر، اخلاص وسادگی،احسان و بےلوثی،نبض شناسی و دوراندیشی اور خشیّت وطاعت جیسی صفاتِ عالیہ کا مرقع تھی۔ بلاشبہ اِن تمام اوصافِ حمیدہ کے مجموعے نے اُنہیں بیسویں صدی کے احیائے اسلام کے معماروں میں ایک منفرد مقام پر فائز کر دیا تھا۔انہوں نے قلم کو جنبش دی تو غبار خاطر اور تذکرہ جیسی شاہکار کتابیں تراوش فکر کی بلندیوں کا نمونہ بنیں،میدانِ صحافت میں قدم رکھا تو بڑے بڑے صحافی اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے نظر آئے،استخلاص وطن کی تحریک چلائی تو جوش بیان وولولۂ خطابت سے ایک عالم کو مسحور کر دیا،دینی علوم کی غواصی کی تو تفسیر قرآن میں ایسے لعل وگوہر دریافت کیے جو اہل فکرونظر کے لیے سرمۂ بصیرت ثابت ہوئے۔

مختصر یہ کہ مولانا ، ایک نامور عالم،حوصلہ مند مجاہد،صاحب طرز انشاءپرداز، بلند پایہ مصنف،سحر انگیز خطیب،قادرالکلام شاعر،اور دردمند قوم وملت کی حیثیت سے تا قیامت یادرکھے جائیں گے۔مولانا آزاد کی حیات اوراُن کی علمی خدمات کے مختلف پہلوؤں کو قلم بند کرنا ایک ضخیم کتاب کا متقاضی ہے۔تاہم زیرِنظر تحریر میں اختصار کے ساتھ،مولانا کے سوانحی نقوش،صحافتی خدمات،سیاسی بصیرت اور انقلابی کارناموں کا مختصر سا تعارف پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

---

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

سوانحی خاکہ:

مولانا ابوالکلام آزاد کا اصل نام محی الدین احمد تھا، اُن کے والد بزرگوار محمد خیر الدین انہیں فیروز بخت (تاریخی نام) کہہ کر پکارتے تھے۔ مولانا 1888ء میں مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے۔ والدہ کا تعلق مدینہ سے تھا سلسلہ نسب شیخ جمال الدین سے ملتا ہے جو اکبر اعظم کے عہد میں ہندوستان آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں آزاد کے والد کو ہندوستان سے ہجرت کرنا پڑی کئی سال عرب میں رہے۔ مولانا کا بچپن مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں گزرا ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی۔ پھر جامعہ ازہر (مصر) چلے گئے۔ چودہ سال کی عمر میں علوم مشرقی کا تمام نصاب مکمل کر لیا تھا۔ مولانا کی ذہنی صلاحتیوں کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انہوں نے پندرہ سال کی عمر میں ماہوار جریدہ لسان الصدق جاری کیا۔ جس کی مولانا الطاف حسین حالی نے بھی بڑی تعریف کی۔ 1914ء میں الہلال نکالا۔ یہ اپنی طرز کا پہلا پرچہ تھا، ترقی پسند سیاسی تخیلات اور عقل پر پوری اترنے والی مذہبی ہدایات کا گہوارہ اور بلند پایہ سنجیدہ ادب کا خوب صورت نمونہ تھا۔ مولانا سیاسی مسلک میں کانگریس کے ہمنوا؛ بل کہ رہبر و رہنما تھے، ان کے دل میں مسلمانوں کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ تقسیم کے بعد جب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وقار کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہوا تو مولانا آگے بڑھے اور اس کے وقار کو ٹھیس پہنچانے سے بچا لیا۔ آپ آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم تھے۔ 22 فروری 1958ء کو دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔

ناقابل فراموش صحافتی خدمات:

متعدد لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ مولانا آزاد کو اُن کی سیاسی مصروفیات نے زیادہ لکھنے کا موقع نہ دیا؛ مگر جس قدر بھی اُنہوں نے لکھا عمدہ لکھا اور ادب میں خاص مقام حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ رومانوی طرز تحریر کے حامل تھے؛ مگر اُن کے ہاں مشرقیت اپنے اعلیٰ اقدار کے ساتھ موجود تھی، مولانا کی ادبی، سماجی، تاریخی اور سیاسی تحریریں آج بھی زندہ و پائندہ ہیں اور ایک دنیا ان سے استفادہ کر رہی ہے۔ مولانا نے سب سے پہلا رسالہ ماہ نامہ ''نیرنگِ عالم'' 1899 میں جاری کیا۔ اس وقت مولانا کی عمر صرف گیارہ برس تھی۔ یہ رسالہ سات، آٹھ مہینے جاری رہا بعد ازاں آپ نے المصباح، احسن الاخبار ہفت روزہ پیغام، الجامعہ وغیرہ رسائل میں خدمت انجام دیں۔ 1909 میں ''لسان الصدق'' ماہ نامے کا پہلا شمارہ کلکتہ سے شائع ہوا۔ اس کا اول مقصد اصلاح معاشرت، دوسرا مقصد ترقی، تیسرا مقصد علمی ذوق کی اشاعت اور چوتھا مقصد تنقید یعنی اردو تصانیف کا منصفانہ

جائزہ تھا۔ مولانا نے 31 جولائی 1906ء کو ہفت روزہ ’’الہلال‘‘ کا پہلا شمارہ شائع کیا۔ اس کا اہم مقصد غیر مسلموں اور مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنا تھا۔ الہلال مسلمانوں کی ملی غیرت، ایمانی حرارت اور مذہبی حمیت کا بڑا محاذ بن گیا؛ جس میں ادبی، علمی، سیاسی اور تاریخی مضامین شائع ہوتے تھے نیز سماجی وتہذیبی مسائل پر کُھل کر اظہار خیال ہوتا تھا۔

مختصراً یہ کہ الہلال نے اردو صحافت کو نیا راستہ دکھایا۔ الہلال ہندوستان کا پہلا اخبار تھا جس نے ہندوستانی مسلمانوں کو ان کے سیاسی وغیر سیاسی مقاصد کی تکمیل اور اپنے اعمال میں اتباع شریعت کی تلقین کے ساتھ ساتھ ادبی، علمی، سیاسی اور تاریخی مضامین بھی شائع کئے۔ حکومت نے الہلال پریس کو ضبط کرلیا تو مولانا نے ’’البلاغ‘‘ کے نام سے دوسرا اخبار جاری کیا۔ جس میں ادب، تاریخ، مذہب اور معاشرت کے مسائل بیان کئے جاتے تھے۔ البلاغ کو مذہبی تبلیغ کا ذریعہ بنایا گیا۔ رانچی قیام کے زمانے میں ترجمان القرآن مرتب فرمایا اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ’الصلوۃ والزکوۃ‘ اور ’النکاح‘ وغیرہ تصانیف کی تکمیل کی۔ ان کے علاوہ آپ نے بہت سے رسالوں میں مضامین لکھے اور کئی ایک ادبی رسالوں کی سرپرستی بھی فرمائی۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی ’الہلال‘ کے اسلوب پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں: ’’خدا جانے کتنے نئے اور بھاری بھرکم لغات اور نئی ترکیبیں‘ نئی تشبیہات، نئے استعارے اور نئے اسلوبِ بیان ہر ہفتہ اس ادبی اور علمی ٹکسال سے ڈھل ڈھل کر باہر نکلنے لگے اور جاذبیت کا یہ عالم تھا کہ نکلتے ہی سکّہ رائج الوقت بن گئے، حالؔی وشبلؔی کی سلاست وسادگی سر پیٹتی رہی، اکبؔر الہ آبادی اور عبدالحق بابائے اردو سب ہائیں ہائیں کرتے رہ گئے۔‘‘

پروفیسر رشید احمد صدیقی مولانا کے اسلوب بیان کا تذکرہ کچھ اس طرح کرتے ہیں: ’’مولانا کا اسلوبِ تحریر وہ ان کی شخصیت تھی اور ان کی شخصیت ان کا اسلوب، دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا، صاحبِ طرز کی ایک نشانی یہ بھی ہے۔ مولانا نے لکھنے کا انداز، لب ولہجہ اور مزاج قرآنِ پاک سے لیا ہے جو ان کے مزاج کے مطابق تھا، وہی اندازِ بیان اور زورِ کلام جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ پہاڑوں پر رعشۂ سیماب طاری کردیتا ہے۔‘‘ حسرؔت موہانی اپنی شاعری کو مولانا کی نثر کے سامنے بے حقیقت خیال فرماتے ہیں:

جب سے دیکھی ہے بوالکلام کی نثر
نظمِ حسرؔت میں بھی مزہ نہ رہا

شہنشاہ خطابت کی گھن گرج:

آزادئ ہند کی ہماہمی اور تحریک حریت کی گہما گہمی میں صحرائے خطابت کے بے شمار شہسوار دیکھے گئے، نطق

وگویائی کے ان گنت تاج دار نمودار ہوئے ؛ مگر ایک ایسی صدائے دلنواز جس نے دل موہ لئے ،جس کا غلغلہ چہار سو سنا گیا،جس کی سماعتوں سے یہ آوازۂ حق ٹکرایا وہ اسی کا ہورہا..........'' یہ امتیازات صرف مولانا کو حاصل تھے۔مولانا آزاد کے فنِ تقریر کے ملکۂ خداداداور زورِ خطابت کا زندہ ثبوت 'خطباتِ آزاد' ہے۔آپ نے جس طرح مختلف مواقع پر خطبات میں اپنے افکارونظریات پیش کئے ،ان کے مطالعہ سے تقریر میں مہارت وکمال کا اندازہ ہوتا ہے۔ بلاشبہ خطبات میں کہیں کہیں طنز وتعریض کے تیرونشتر بھی ملتے ہیں ؛لیکن بہ ایں ہمہ آپ کی زبان و بیان ،طرزِ اظہاراور اندازِ بیان' بالخصوص آپ کی قرآنی تعبیرات' تلمیحات واستعارات' اشارات و کنایات اور طرزِ تخاطب کے مختلف پیرایے آپ کی عبقری شخصیت' ذہانت وذکاوت' فراست وفطانت' کے مختلف پہلوؤں کوطشت ازبام کرتے ہیں۔آپ نے تقسیم ہندکوروکنے کے لئے اپنی تحریروتقریر کے ذریعہ اپنے کرب اوراپنی آواز کو ہر ہندوستانی تک پہنچانے کی کوشش کی۔ خاص طور پر وہ مُسلمان جو پاکستان کے قیام کے حامی تھے اور ہجرت کے لئے تیار ہوگئے تھے اُن کو بہت آمادہ کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ تم نے ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے عظیم قربانیاں دیں۔اپنے ملک ہندوستان کو چھوڑ کر مت جاؤ یہ ملک تمہارا ہے،اسکی آزادی اورترقی میں تمہاری حصہ داری ہے۔انھوں نے ایک موقع پر دہلی کی شاہی مسجد میں اپنے خطاب کے دوران اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ:'' آج اگر ایک فرشتہ آسمان کی بدلیوں سے اُتر آئے اور قُطب مینار پر کھڑے ہوکر یہ اعلان کردے کہ سوراج (آزادی) 24 گھنٹے کے اندر مِل سکتا ہے، بشرطیکہ ہندستان ہندو مُسلم اتحاد سے دستبردار ہوجائے،تو میں سوراج سے دستبردار ہوجاؤں گا مگر آپسی اتحاد سے دستبردار نہ ہوں گا۔ کیونکہ اگر سوراج کے ملنے میں تاخیر ہوئی تو یہ ہندوستان کا نقصان ہوگا ،لیکن اگر ہمارا اتحاد جاتا رہا تو یہ عالمِ انسانیت کا نقصان ہے۔''

گہری سیاسی بصیرت:

مولانا کی عملی زندگی کا آغاز 1904 سے ہوا ۔ 1923، 1930 اور 1939 میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کے قائم مقام صدر مقرر کیے گئے۔بیس برس کی عمر میں آزادی کی تحریک میں شامل ہوئے،قیدو بند کا سلسلہ رانچی بہار سے شروع ہوا اور قلعہ احمد نگر میں 1945 میں ختم ہوا۔کل 68 برس اور سات ماہ کی عمر پائی،اس میں 9 برس اور 8 ماہ انگریز کی قید کاٹی۔ گویا عمر عزیز کا ہر ساتواں دن جیل میں کٹا۔ جسے مولانا ابوالکلام آزاد کی سیاسی بصیرت میں شک ہو وہ غیر جانب داری کے ساتھ ملک کی تاریخ کا مطالعہ کرلے کہ اس وقت ملک کے حالات کیا تھے؟ کس دباؤ کا سامنا تھا؟ مسلمانوں کی کیفیت کیا تھی؟ اپنی ایک تقریر میں مولانا نے یوں اظہار

خیال فرمایا ہے:" میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں! اسلام کی تیرہ سو سال کی شاندار روایتیں میرے ورثے میں آئی ہیں، میں تیار نہیں کہ اس کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں، اسلام کی تعلیم، اسلام کی تاریخ، اسلام کے علوم وفنون، اسلام کی تہذیب میری دولت کا سرمایہ ہے اور میرا فرض ہے کہ میں اس کی حفاظت کروں۔ بہ حیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہب اور کلچرل دائرے میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں اور میں برداشت نہیں کرسکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے؛ لیکن ان تمام احساسات کے ساتھ میں ایک اور بھی احساس رکھتا ہوں جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے پیدا کیا، اسلام کی روح مجھے اس سے نہیں روکتی، وہ اس راہ میں میری راہنمائی کرتی ہے، میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں، میں ہندوستان کی ایک ناقابل تقسیم متحدہ قومیت کا عنصر ہوں، میں اس متحدہ قومیت کا ایک اہم عنصر ہوں؛ جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے، میں اس کی تکوین کا ایک ناگزیر عامل ہوں میں اس دعوے سے کبھی دست بردار نہیں ہوسکتا...... (خطبہ رام گڑھ سے مقتبس)

مولانا محض ایک فرد نہیں تھے؛ بل کہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، ملت کا درد اُن کے سینے میں پنہاں تھا، وہ سچے مُحب وطن، مُسلم قوم پرست اور جدوجہد آزادی کے علم بردار تھے، انہوں نے سیکولر ہندستان کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا، آزادی کے حصول کے لئے قومی یکجہتی کے اصول کو فروغ دیا، مولانا نے ہندو مُسلم اتحاد، مشترکہ تہذیب اور متحدہ قومیت کی حفاظت کو اولین ترجیح دی۔ مولانا کی سیاسی بصیرت پر لکھنے والے ایک نامور ادیب نے لکھا کہ: جسے مولانا ابوالکلام آزاد کی سیاسی بصیرت میں شک ہو وہ 'انڈیا ونز فریڈم' پر ایک نظر ڈال لے۔ نہرو ہوں یا پٹیل، گاندھی ہوں یا جناح، مولانا کی رائے نپی تلی لیکن کوئی ایک لفظ شرافت سے گرا ہوا نہیں۔ کوئی ایک جملہ نہیں جو توازن اور حقیقت سے خالی ہو۔ سچ پوچھیے تو مولانا نے اس تصنیف میں جسے آزادیِ ہند کے بنیادی ماخذ میں سرفہرست شمار کیا جاتا ہے، سب سے کڑا احتساب خود اپنی ذات کا کیا ہے۔

سنا ہے خاک سے تیری نمود ہے لیکن
تیری سرشت میں ہے کوکبی و مہتابی!

دعوتِ فکر وعمل

غزہ کے ہر گھر میں حافظ اور ہر گھر میں شہید

از: مولانا غیاث الدین دھامپوری بجنوری*

یہ غزہ ہے، جہاں ہر گھر میں شہید بھی ہے، ہر گھر میں زخمی اور ہر گھر میں قرآن کا چرچہ بھی ہے۔ عزم وحوصلہ جرات وبہادری ان کی فطرت اور عادت ثانیہ کا حصہ ہے اور بلند ہمتی جس کا خاصہ ہے۔ یہ شیروں کا مسکن اور شہیدوں کا وطن ہے، یہ دردوں کا در اور غموں کا گھر ہے، مگر پھر بھی بے خوف ونڈر ہے۔ اندیشہ تعزیر اور سزا سے ماورا اہل غزہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے پیروکار ہیں، اس لئے ٹوٹ کر بکھرتے نہیں، بلکہ گر کر سنبھلنے کا فن ان کو خوب آتا ہے، کیوں کہ قرآن کریم سے عشق کی حد تک محبت کرنے والے ان جیالوں نے عزم وہمت کا فن بھی کلام الہٰی سے سیکھا ہے۔

چودہ برس سے ناکہ بندی کا شکار اور تین ماہ سے خون میں لت پت ـــــ کوئی دوسری قوم ہوتی تو اب تک مٹ چکی ہوتی، لیکن ـــــ آج بھی توپوں کی گھن گرج اور کروز میزائلوں، وائٹ فاسفورس، کیمیائی ہتھیاروں اور بم برساتے فائٹر جیٹ کے سامنے پورے قد کے ساتھ دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی ہے، اور قسطوں میں فقط اللہ کے لئے جانوں کے نذرانے پیش کر رہی ہیں، اور دشمن بھی وہ جس کی پشت پر سارا باطل کھڑا ہے۔

غزہ کے سات سال کے بچوں کے سینے بھی قرآن کے نور سے منور ہیں تو 80 برس کی دادیاں بھی حفظ کی سعادت حاصل کرتی چلی آئی ہیں۔ کتاب الہٰی سے فلسطینیوں کو والہانہ عقیدت ہے۔ غزہ کے دینی ادارے ''دار القرآن الکریم والسنۃ'' نے قبل از جنگ ایک انوکھا پروگرام شروع کر رکھا تھا، جس سے اہل غزہ کی کتاب الہٰی سے محبت وتعلق کا اندازہ آپ درج ذیل سطور سے لگا سکتے ہیں۔

مذکورہ ادارے کے تحت ''صفوۃ الحفاظ'' کے نام سے ہونے والے اس پروگرام میں ایک ہی مجلس میں پورا قرآن سنانے کا اہتمام ہوتا رہا ہے واضح رہے کہ سال غزہ میں ''دار القرآن الکریم والسنۃ'' نامی اس

* سابق خادم جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ یوپی

ادارے کی بنیاد 1992ء میں رکھی گئی تھی ،جس کا ہدف قرآن وسنت کی تعلیمات کو عام کرنا اور حاملین قرآن کو تیار کرنا ہے۔صفوۃ الحفاظ اسی سلسلے کی اہم ترین کڑی ہے۔(قبل از جنگ)اس سلسلہ کا پہلا پروگرام تھا،جس میں غزہ کی دومساجد میں اس منفرد پروگرام کا انعقاد ہوا،ایک مسجد میں حفاظ اور دوسری مسجد میں حافظات کے لئے۔مجموعی طور پر 1471 ،حفاظ وحافظات نے اس میں شرکت کی ،جس میں 8 ،سال کے بچوں اور بچیوں سے لیکر 70 ،سال کے بوڑھے بھی شامل تھے،بعض ایسی مائیں بھی شامل تھیں ،جنہوں نے اپنے بچوں کو گود میں لیکر طلوع آفتاب سے غروب تک پورا قرآن سنایا،بعض اس دوران بے ہوش بھی ہو گئے تو انہیں اسپتال لے جایا گیا اور انہوں نے اسپتال کے بیڈ پرہی باقی پارے سنا کر ختم کیا۔صفوۃ الحفاظ کے اس انوکھے پروگرام میں شریک مختلف علاقوں اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے ایسے حفاظ اور حافظات نے شرکت کی جن کی عمروں میں بہت فرق تھا(یعنی ننھے ننھے بچے،بوڑھے اور جوان)انہوں نے ایک ہی مجلس میں پورا قرآن مجید سنایا بعض ایسے کمسن حفاظ کی ویڈیو بھی وائرل ہوئیں جس میں انہوں نے اپنے والدین کو پورا کلام پاک سنایا۔دل چسپ بات یہ ہے کہ اہل غزہ کو قرآن کریم اتنا پختہ یاد ہے کہ 600 ،حفاظ وحافظات کی پورے قرآن میں ایک بھی غلطی نہیں آئی۔مگر افسوس ان حفاظ وحافظات کی بہت بڑی تعداد کو جنگ کے ان تین مہینوں میں صہیونی درندوں نے شہید کردی ۔یہاں برسبیل تذکرۂ قرآن عرض کرتا چلوں کہ گرچہ مذکورہ واقعہ گزشتہ یا گزشتہ سے پیوستہ سال سے متعلق ہے مگر عبرت کے لئے اس کا تذکرہ ہنوز مفید ہے۔

سعودی شہر دمام کی جیل میں قید سزائے موت کے منتظر ایک قاتل کو مقتول کے والد نے اس شرط پر معاف کردیا کہ وہ جیل میں رہتے ہوئے پورا قرآن کریم حفظ کرے گا۔جب کہ قاتل اپنے جرم کی سزا کا منتظر تھا اور عدالت نے اسے قتل عمد کی شرعی سزا قصاص دینے کا حکم سنایا تھا اور دودن بعد ہی ’فیصل عامری‘ نامی قاتل کو قصاصاً قتل کیا جانا تھا،کہ اس دوران اچانک مقتول کے والد کو’دمام‘ کی علماء کونسل کے اراکین نے ملاقات کرکے سمجھایا کہ قاتل کو قرآن کریم حفظ کرنے کی شرط پر معاف کردیں، تاکہ اس کا ثواب مقتول کو ملتا رہے۔ لہٰذا مقتول کے والد نے مذکورہ شرط کے علاوہ قاتل سے خون بہا کا کوئی مطالبہ نہیں کیا ،یہ دل سوز منظر دیکھ کر علمائے کرام اور جیل حکام کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں،دمام جیل میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا۔

ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیں کہ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے ایک مرتبہ اپنے ایک بیان میں یہ فرمایا کہ ہم نے مالٹا کی جیل (حبس دوام بہ عبور دریائے شور) کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں !یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا کہ اس استاذ العلماء نے 80 سال درس تدریس کے بعد آخری عمر میں جو سبق سیکھا ہے،آخر وہ کون

سا سبق ہے؟ تو حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور وخوض کیا کہ مسلمانانِ عالم دینی و دنیوی ہر دو حیثیت سے تباہی و بربادی سے دوچار کیوں ہیں؟ تو اس کے دو اہم سبب معلوم ہوئے۔ایک ان میں سے ترکِ قرآن اور دوسرے ان کا باہم اختلافات اور خانہ جنگی۔اس لئے میں مالٹا جیل ہی سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ میں اپنی بقیہ زندگی صرف اسی کام میں صرف کروں کہ قرآن کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی بھی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے ،چناں چہ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی بقیہ عمر قرآن مجید کی لفظی ومعنوی تعلیم کی اشاعت میں گزاری۔

قندھار میں طالبان حکومت نے قیدیوں کو تجوید سکھانے کا انتظام کر رکھا ہے،جس سے افغانیوں کا قرآن سے گہرا رشتہ معلوم ہو رہا ہے، گزشتہ دنوں قندھار سینٹرل جیل میں 31،قیدی تجوید کے شعبے سے فارغ التحصیل ہوئے ،واضح ہو کہ افغان اسلامی حکومت نے تمام جیلوں میں تعلیمی سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور ہر صبح جیل میں ایک مدرسہ لگتا ہے اور باقاعدہ اساتذہ قیدیوں کو پڑھاتے ہیں۔امت کا بہت بڑا طبقہ وہ ہے جو تسبیح پڑھنے اور اوراد وظائف کا تو بہت شوق رکھتا ہے مگر ان کو کبھی تلاوت کلام پاک پڑھتے نہیں دیکھا جاتا اس لیے کہ ان کو صرف تسبیح پڑھنے کا شوق ہے تلاوت کا نہیں، وجہ کیا ہے؟ غور کریں تو وجہ بھی مل جائے گی، ناظرہ کی کمزوری کی وجہ سے ان کو تلاوت میں دقت پیش آتی ہے، پڑھنے میں وقت لگنے کے ساتھ ساتھ دقت بھی ہوتی ہے،اور محنت طلب کاموں سے نفس یوں بھی بھاگتا ہے۔

ایسے حضرات سے میری درخواست ہے کہ بتکلف ہی قرآن پڑھیں،خواہ تھوڑا پڑھیں مگر روز پڑھیں آہستہ آہستہ عادت بن جائے گی اور پھر آسانی ہوجائے گی۔بہرحال قرآن کریم کی بڑی برکتیں ہیں افسوس کہ امت مسلمہ کا ایک بڑا طبقہ قرآن کریم کو سمجھ کر تو کیا پڑھتا؟ صحتِ الفاظ کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرنے سے بھی قاصر نظر آرہا ہے۔اس طرف نظماء مدارس،قراء عظام اور خطبائے امت کو توجہ دینے اور فکر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

مہر فاطمی کی مقدار

سوال: مہر فاطمی کسے کہتے ہیں؟ اور اس کی کیا مقدار ہے؟

جواب: ’’مہر فاطمی‘‘ اس مہر کو کہا جاتا ہے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاتون جنت حضرت فاطمہ الزہراءؓ اور دیگر صاحب زادیوں اور اکثر ازواج مطہرات کا مقرر فرمایا، اس کی مقدار ۵۰۰، درھم چاندی ہے جس کا وزن موجودہ حساب سے ایک کلو، ۵۳۰ /گرام ۹۰۰ /ملی گرام ہوتا ہے۔ (کتاب المسائل، ۴/ ۲۹۱)

بیوی کے مرنے کے بعد مہر کا مالک

سوال: بیوی کا اگر انتقال ہوجائے اور شوہر نے اب تک مہر ادا نہ کیا ہو تو انتقال کے بعد اس کا مالک کون ہوگا؟

جواب: یہ مہر، بیوی کے ترکہ میں شمار ہوگا، اور حسب حصصِ شرعیہ اس کے وارثین میں تقسیم کیا جائے گا، یعنی اولاد کی عدم موجودگی میں شوہر کو نصف ترکہ ملے گا اور بقیہ ترکہ، بیوی کے دیگر وارثین میں تقسیم کیا جائے گا، اور اگر اولاد ہو تو کل مہر میں سے ربع (ایک چوتھائی) شوہر کا حصہ ہوگا، اور باقی بیوی کے دیگر وارثین میں تقسیم ہوگا۔ (کتاب المسائل، ۴/ ۳۰۲)

سڑک پر چلتے ہوئے کھانا

سوال: کیا سڑک پر چلتے ہوئے کھانے پینے سے آدمی، مردود الشھادہ ہوجاتا ہے؟

جواب: وہ تمام چیزیں جن کا سڑکوں پر چلتے ہوئے کھانا پینا عرفاً خلافِ مروت نہیں سمجھا جاتا، ان کو سڑکوں پر چلتے پھرتے کھانے پینے سے آدمی مردود الشہادہ نہیں ہوگا، لیکن جن چیزوں کا سڑکوں پر کھانا خلاف مروت سمجھا جاتا ہو، ان کو سڑکوں پر کھانے پینے سے آدمی مردود الشھادہ ہوجائے گا۔ (محقق ومدلل جدید مسائل، ۲/ ۶۸۵)

غیر مسلم میت کو جلانے کے لئے جانا

سوال: کیا ایک مسلمان، غیر مسلم میت کو جلانے کے لئے ساتھ جا سکتا ہے؟

جواب: غیر مسلم شخص کی موت کے وقت اس کے گھر جا کر تعزیت کرنے کی تو گنجائش ہے، لیکن جلانے کے لئے ساتھ جانا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس میں جلانے کے عمل کا اعزاز ہے۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ۲۴/ ۲۸۳)

رات میں ناخن کاٹنا

سوال: رات میں ناخن کاٹنا کیسا ہے؟ کیا مکروہ ہے؟

جواب: رات میں ناخن تراشنا جائز ہے، مکروہ نہیں ہے۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ۲۴/ ۳۲۴)

لوڈو اور کیرم بورڈ کھیلنا

سوال: لوڈو اور کیرم کھیلنا کیسا ہے؟ خصوصاً ایک طالب علم کے لئے۔

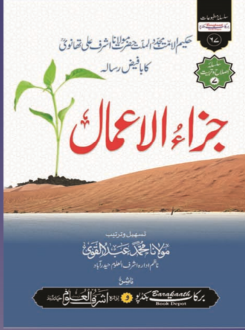
جواب: لوڈو اور کیرم بورڈ کھیلنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، محض تضییع اوقات ہے، اور احکام شرعیہ سے غفلت ہوتی ہے، اس لیے ایسے کھیل نہیں کھیلنے چاہیے، اور طالب علموں کو بدرجہ اولیٰ ان سب کھیلوں سے اجتناب ضروری ہے۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ۲۴/ ۳۶۲)

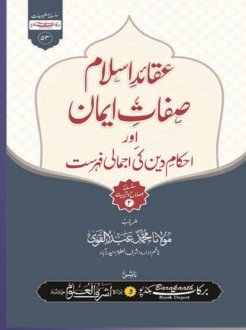
پتنگ کٹ جانے کے بعد اس کا مالک کون؟

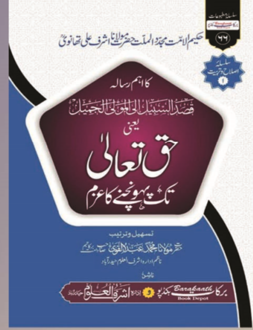
سوال: اگر پتنگ کٹ جائے اور دوسرا کوئی آدمی اس پر قبضہ کر لے تو عرف میں اسے اس کا مالک سمجھا جاتا ہے؟ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: شریعت اسلامی میں ایسا کوئی عرف معتبر نہیں ہے، جو حکم شرع کے خلاف ہو، لہٰذا شرعاً لوٹنے والا اس کا مالک نہیں ہوگا، بلکہ وہ پتنگ اصل مالک کی ملکیت میں ہی رہے گی، مالک مل جائے تو واپس کر دینا واجب ہوگا۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ۲۴/۳۶۶)

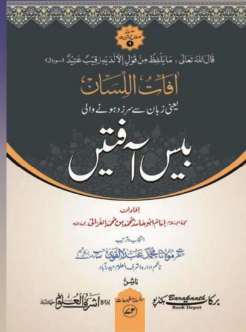
ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-
RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/23-25
Date of Publication 3rd Feb-24, date of Posting 5th Feb-24

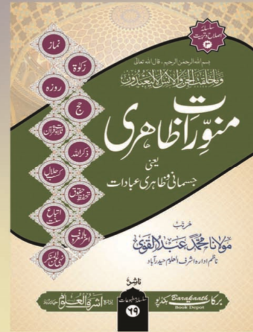


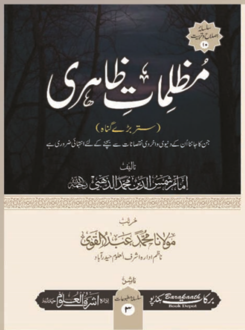


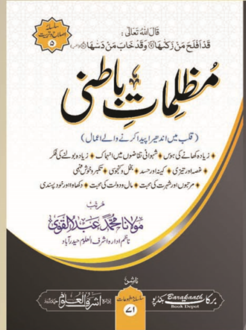


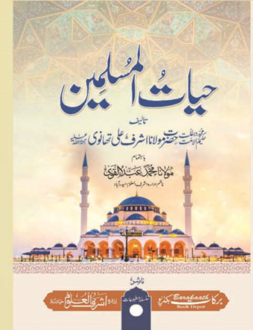












Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Editor : Mohammed Abdul Qavi. Printed at: Aish Offset Printers, Cellar Masjid-e-Meraj, Sayeedabad, Hyd-59